محمد دارا شکوہ

ایک صوفی شہزادہ

ڈاکٹر محمد مشتاق تجاروی

خسرو فاؤنڈیشن
نئی دہلی - ۱۱۰۰۲۴

ख़ुसरो फ़ाउण्डेशन خسروفاؤنڈیشن
KHUSRO FOUNDATION

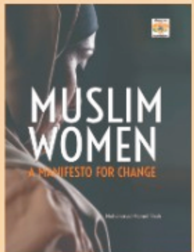

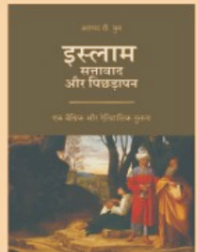

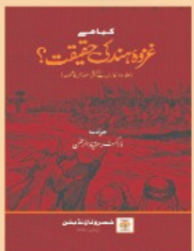

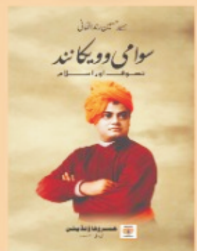

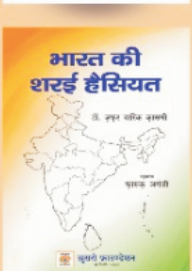

Contact us:

Khusro Foundation
D-319, Defence Colony, New Delhi 110024
www.khusrofoundation.org
khusrofoundation.del@gmail.com

follow us on:

+91-9318431341
@Khusrofounda
@Khusrofoundation
@Khusro_foundation
@Khusrofoundation

ISBN 81-971585-0-9
9 788197 158506
₹ 200/-

محمد داراشکوہ

ایک صوفی شہزادہ

ڈاکٹر محمد مشتاق تجاروی

محمد دارا شکوہ

ایک صوفی شہزادہ

ڈاکٹر محمد مشتاق تجاروی

© جملہ حقوق بحق خسرو فاؤنڈیشن محفوظ ہیں

Mohammad Dara Shikoh
Aik Sufi Shehzada
By Dr. Mohammad Mushtak Tijarwi
Email : muftimushtak@gmail.com
Year of Ist Edition 2023
Year of 2nd Edition 2025
ISBN : 978-81-971585-0-6

نام کتاب	:	محمد داراشکوہ: ایک صوفی شہزادہ
مصنف	:	ڈاکٹر محمد مشتاق تجاروی
اشاعت اوّل	:	۲۰۲۳ء
اشاعت دوم	:	۲۰۲۵ء
قیمت	:	200 روپے
زیر اہتمام	:	عرشیہ پبلی کیشنز، دہلی
ناشر	:	خسرو فاؤنڈیشن، ڈی-319، ڈیفینس کالونی، نئی دہلی-110024

arshia publications
A-170, Ground Floor-3, Surya Apartment, Dilshad Colony, Delhi - 110095 (INDIA)
Mob: +919971775969, +919899706640 Email: arshiapublicationspvt@gmail.com

انتساب

ڈاکٹر خواجہ محمد عبدالصمد ابراہیم

کے نام

فہرست

پیش لفظ	9
مقدمہ	11
داراشکوہ: ایک تعارف	17
داراشکوہ کی تصانیف	32
عرفان وتصوف کی راہ میں	52
حضرت میاں میر قادری کے آستانے پر	63
تصوف میں نسائی جہت: داراشکوہ اور صوفی خواتین	79
داراشکوہ کی صوفیانہ شاعری	89
دو دریاؤں کا سنگم یعنی تصوف اور ویدانت میں یگانگت کی راہیں	107
حیات انسانی کے سربستہ اسرار کی گرہ کشائی: اپنشدوں کا ترجمہ اور یوگ کی روایت	117
بابالال بیراگی کے دربار میں	129
دیباچہ مرقع: ایک تعارف	137

حضرت فتح علی قلندر	145
مکالمہ با حضرت فتح علی قلندر فارسی	147
مکالمہ با حضرت فتح علی قلندر اردو ترجمہ	151
مراجع و مصادر	155
خسرو فاؤنڈیشن-ایک نئی پہل	157

●●●

پیش لفظ

خسرو فاؤنڈیشن کی قابل قدر اشاعت ''محمد دارا شکوہ ایک صوفی شہزادہ'' کا دوسرا ایڈیشن آپ کے ہاتھوں میں ہے جو اس بات کی ضمانت ہے کہ ہمارے قارئین نے کس طرح اس کتاب کی پذیرائی کی ہے۔ کتاب کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ اس کتاب کے مصنف ڈاکٹر محمد مشتاق تجاروی صاحب نے کس عمیق مطالعے اور تحقیق کے ساتھ اس کتاب کو ترتیب دیا ہے جو از آغاز تا اختتام قاری کو اپنے ساتھ جوڑے رکھتی ہے۔ کتاب میں دارا شکوہ کی زندگی، ان کے علمی و فکری کارنامے اور عمل صالح پر خاص روشنی ڈالی گئی ہے۔

دارا شکوہ کے نظریہ صلح کل، قادری سلسلے سے وابستگی، بزرگوں سے سچی عقیدت، معرفت دین کے لیے جدوجہد، ہندوستانی مذاہب خاص کر وید اور اپنشد کو سمجھنے کی کوشش، عربی و فارسی کے علاوہ سنسکرت اور ہندوستانی زبان و تہذیب کو سمجھنے اور فروغ دینے کا عمل، یہ تمام ایسی کوششیں ہیں جن کی ضرورت و اہمیت جتنی دارا شکوہ کی زندگی میں تھی آج اس سے کہیں زیادہ ہے۔ اگر چہ دارا شکوہ کی کاوشوں کو ان کی زندگی میں بھی حکومت وقت کی طرف سے نظر انداز کیا گیا اور ان کی زندگی کے بعد بھی بیشتر مسلم حکمرانوں اور علمائے وقت نے اس سے دوری ہی بنائے رکھی جس کی وجہ سے دارا شکوہ کی شخصیت اور ان کے علمی کارناموں کو وہ مقام نہیں مل سکا جس کے وہ مستحق تھے۔ جب کہ دارا شکوہ کو اگر خسروئے ثانی کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کیوں کہ کثرت میں وحدت کے تصور کو سمجھنے، عقیدۂ توحید کی بنیاد پر سماجی ہم آہنگی کو فروغ دینے اور دیگر مذاہب میں فلسفۂ توحید اور مقام انسانیت کو سمجھنے میں دارا شکوہ

سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ان کی کتاب مجمع البحرین ایسی کتاب ہے جس کی روشنی میں اسلام اور وید، مسلم اور ہندو دونوں میں ہم آہنگی کو فروغ دیا جا سکتا ہے۔

زیر نظر کتاب مصنف کی اس کوشش کا نتیجہ ہے جس میں فاضل مصنف نے شہزادہ داراشکوہ کی علمی و عملی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو ایک کتاب کے اندر پیش کیا ہے۔

کتاب کے مصنف ڈاکٹر محمد مشتاق تجاروی جو ایک عالم باعمل مفتی بھی ہیں اور اسکالر بھی، جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی کے شعبہ اسلامک اسٹڈیز میں اسسٹنٹ پروفیسر ہیں تو وہیں دارالعلوم دیوبند کے فاضل بھی، خسرو اور داراشکوہ کی طرح اعتدال پسندی موصوف کا بنیادی خاصہ ہے جو بیک وقت ان کے اندر ایک طرف صوفی و سالک کا احساس دلاتا ہے تو دوسری طرف ایک عالم و محقق کا۔

اب تک ایک درجن سے زیادہ کتب اور بیشتر مقالات پیش کر چکے ڈاکٹر تجاروی، مدرسہ اور عصری تعلیم، تصوف، تاریخ و ثقافت کے موضوعات پر خاص دسترس رکھتے ہیں۔

ہم خسرو فاؤنڈیشن کے تمام ارکان و ذمہ داران کی طرف سے موصوف کے شکرگزار ہیں اور امید کرتے ہیں کہ وہ آئندہ بھی اس طرح کے موضوعات پر مزید کام انجام دیتے رہیں۔

کثرت میں وحدت کے تصور، سماجی ہم آہنگی کا فروغ، انسانیت اور ہندوستانیت کی ترقی، ملک و ملت کی سالمیت، اسلام کے بارے میں پھیلائی گئی غلط فہمیوں کا ازالہ خسرو فاؤنڈیشن کے بنیادی مقاصد میں شامل ہے، ہمیں یقین ہے کہ یہ کتاب ہمارے قارئین کو اس موضوع کو سمجھنے میں مددگار ثابت ہوگی۔ انشاءاللہ

ڈاکٹر حفیظ الرحمٰن

کنوینر

خسرو فاؤنڈیشن، نئی دہلی

●●●

مقدمہ

داراشکوہ اپنے وقت میں مغل خاندان کے سب سے زیادہ بااثر اور طاقت ور شہزادے تھے۔ حکومت ومملکت کے نظم وانتظام پر ان کے گہرے اثرات تھے۔ ان کی شہزادگی کے ایام میں ان کا ایسا مقام ومرتبہ تھا کہ ان کے ابرو کی شکن ملک کی تقدیر بن جاتی تھی۔ حالاں کہ ملک کے اصل بادشاہ تو ان کے والد شاہجہاں تھے، لیکن اپنے والد کے پردے میں اصل حکمرانی داراشکوہ کے ہاتھ میں تھی، وہی پورے ملک کے سیاہ وسفید کے مالک تھے۔ جو وہ چاہتے تھے ملک میں وہی ہوتا تھا۔

شاہجہاں کو بھی سب سے زیادہ محبت اور الفت داراشکوہ سے ہی تھی۔ شاہجہاں ان کو ہی اپنا جانشیں اور اپنے بعد ہندستان کا بادشاہ بنانا چاہتے تھے، اسی لیے انھوں نے داراشکوہ کو اپنا ولی عہد بھی مقرر کر دیا تھا۔ لیکن بعد میں حالات ان کے موافق نہ رہے اور داراشکوہ پر ایسا وقت بھی آیا کہ عظیم ہندستان کی سرزمین اپنی وسعتوں کے باوجود ان کے لیے تنگ ہوگئی۔ ان کی ساری قوت منتشر ہوگئی، گھر چھوٹ گیا، فوج ختم ہوگئی، ان کی بے شمار دولت ضائع ہوگئی اور وہ بے یار و مددگار سندھ کے ریگستان میں بھٹکنے پر مجبور ہو گئے، بلکہ یہاں تک مجبور ہو گئے کہ ملک سے فرار ہونے کی کوشش شروع کردی۔ رفتہ رفتہ حالات اتنے ناسازگار ہو گئے کہ پورے ملک کی ناکابندی کردی گئی اس لیے وہ ملک سے فرار بھی نہ ہو سکے۔ ان کے خاص اعتماد کے لوگوں نے ان کے ساتھ غداری کی اور ان کو گرفتار کرا دیا۔ گرفتاری کے بعد بغاوت کے جرم میں ان کو پھانسی کی سزا دی گئی اور ان کے چھوٹے بھائی

اورنگ زیب عالم گیر کے حکم سے دہلی میں ان کو قتل کر دیا گیا۔

داراشکوہ اگر چہ اپنے وقت میں ایک طاقت ور شہزادے اور ایک عظیم سیاست داں تھے، لیکن اپنی اِس حیثیت سے وہ تاریخ کے صفحات پر کوئی دیرپا اثر نہیں چھوڑ سکے۔ انھوں نے ہندستان کی تعمیر وترقی کے جو منصوبے بنائے تھے اور ہندستان کے اندر گنگا جمنی تہذیب کو مستحکم کر کے اس ملک کو ترقی دینے اور مزید بلندیوں تک پہنچانے کا جو عزم کیا تھا، وہ سب ختم ہو گیا۔ جب حکومت حاصل کرنے کا وقت آیا تو وہ ان کے مخالف گروہ کو ملی اس لیے ان کا کوئی بھی خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔

سیاست اور حکومت کے علاوہ بھی داراشکوہ کی ایک حیثیت ہے اور ان کی وہ حیثیت بہت منفرد اور دیرپا اثرات کی حامل ہے۔ وہ ہے ان کی علم دوستی، ان کا ذوق تصنیف وتالیف اور تصوف اور ہندستانی روایات کے ساتھ ان کا لگاؤ۔ داراشکوہ کی زندگی ظاہری طور پر ایک شہزادے اور ایک حاکم کی زندگی تھی، لیکن ان کے اندر ایک عالم وفاضل شخص اور ایک صوفی وسالک ہمیشہ موجود رہا۔ سیاسی طور پر چاہے وہ ناکام رہے ہوں لیکن ایک دانشور، ایک عالم اور ایک صوفی کی حیثیت سے ان کی زندگی کے آثار اقدام اور ان کے نقوش پا تاریخ کے صفحات میں ہمیشہ کے لیے ثبت ہیں۔ انھوں نے اپنی زندگی میں کئی معیاری کتابیں بھی لکھیں، کئی اہم کتابوں کے ترجمے بھی کیے، مختلف علمی مسائل کو بساط بھر حل کرنے اور سمجھنے کی بھی کوشش کی اور ان سب کے ساتھ شاعری بھی کی۔ وہ بڑے وسیع المطالعہ عالم اور بڑے پائے کے مدبر ومفکر تھے۔ زندگی کے مسائل کو انھوں نے گہرائی کے ساتھ سمجھنے کی کوشش کی تھی۔ بعض مسائل کے لیے انھوں نے کچھ حل بھی پیش کیے تھے۔ ان کی زندگی اگر مزید وفا کرتی تو ہوسکتا ہے کہ وہ زندگی کے بعض اور مسائل کا دیرپا حل تلاش کر پاتے۔

داراشکوہ کے بارے میں یہ بات درست ہے کہ اُن کی تحریروں میں بعض اغلاط موجود ہیں۔ خاص طور پر قرآن مجید کی بعض آیات کی تشریح وتفسیر میں انھوں نے واضح غلطیاں کی ہیں۔ لیکن اس مسئلہ میں داراشکوہ سے زیادہ وہ عہد اور وہ زمانہ ذمہ دار ہے جس میں وہ تھے۔ اُس زمانے میں ایسے لوگ موجود تھے جو اُن آیات کی اُسی طرح تفسیر کرتے

ہیں جیسے داراشکوہ نے کی ہے، بلکہ ایسے لوگ تو آج بھی موجود ہیں۔

پھر بھی یہ بات مسلم ہے کہ داراشکوہ کو اِن باتوں کے لیے بری الذمہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔انھوں نے جو غلطیاں کیں ہیں وہ تسلیم ہیں۔البتہ ان اغلاط کی وجہ سے ان کا پورا علمی ذخیرہ سوختنی قرار نہیں دیا جانا چاہیے۔داراشکوہ نے کئی اہم کام کیے ہیں جن میں بعض کاموں کی مذہبی اہمیت بھی ہے اوران کے تمام کاموں کی تہذیبی، ثقافتی اور تمدنی اہمیت کا کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔وہ یقیناً بڑے مصنف اور دانش ور تھے،انھوں نے مختلف علوم و فنون خاص طور پر تصوف کا بڑا وسیع مطالعہ کیا تھا۔فارسی زبان و بیان پر ان کو غیر معمولی قدرت حاصل تھی۔ان کے اندر تحقیق وتصنیف کا اعلیٰ ذوق تھا۔حق کی تلاش کا بھی ایک محکم جذبہ ان کے اندر موجزن تھا۔ایسے دانشور عام زندگی میں بھی نایاب ہوتے ہیں اور شاہی گھرانوں میں تو ایسے علم وادب کے شوقین شاذ و نادر ہی نظر آتے ہیں۔

داراشکوہ کی زبان دانی بھی مسلم ہے اور ساتھ ہی سلوک و معرفت کے مسائل کو بیان کرنے کی بھی ان کے اندر زبردست قابلیت ہے۔ان کی شخصیت ایسی سحر خیز ہے کہ اہل علم و دانش کا ایک گروہ ہمیشہ ان کا گرویدہ رہا ہے۔ان کی زندگی کے زمانے سے ہی اہل علم و دانش ان کی شخصیت اور کارناموں پر تحقیق کرتے رہے ہیں اور آج بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔انگریزی میں ان پر کئی تحقیقی کتابیں موجود ہیں۔جیسے بکرماجیت حسرت کی کتاب ''داراشکوہ لائف اینڈ ورک''(Dara Shikoh:Life and Work) ہے،کالکارنجن قانون گو کی مفصل تحقیقی کتاب ''داراشکوہ''(Dara Shikoh)اسی طرح ایک کتاب سپریا گاندھی نے بھی لکھی ہے اس کا نام ہے۔''دی ایمپرر ہو نیور واز'' (Dara Shikoh:The Emperor Who Never Was) اویک چندجین کی کتاب ''داراشکوہ: دی مین ہووُڈ بی اے کنگ'' (Dara Shikoh: The Man Who Would be a King) بھی آج کل کثرت سے پڑھی جارہی ہے۔ ایک کتاب پال اسمتھ نے لکھی ہے۔ اس کا نام ہے ''دی بک آف داراشکوہ:لائف، پویم اینڈ پروز''(The Book of Dara Shikoh: Life, Poem, &Prose)اسی طرح اور بھی کئی کتابیں ہیں جن کا نام کتابیات میں بھی درج ہے۔

تاہم اردو کا دامن اس موضوع پر معیاری تحقیق سے محروم ہے۔ چند کتابیں اردو میں موجود ضرور ہیں لیکن ان سے موضوع کی تشنگی دور نہیں ہوتی، ابھی مزید کام کی ضرورت ہے۔ جیسے محمود علی کی کتاب ''داراشکوہ'' یا اسی طرح سید محمد اسلام شاہ کی ''داراشکوہ کے مذہبی عقائد'' اور ڈاکٹر محمد سلیم کی کتاب ''داراشکوہ احوال و آثار'' اسی طرح شکیل الرحمٰن کی کتاب ''محمد داراشکوہ'' یا قاضی عبدالستا کا ناول وغیرہ۔

راقم الحروف کی زیرنظر کتاب 'داراشکوہ: ایک صوفی شہزادہ' ایک طالب علمانہ پیش کش ہے۔ اس کے لیے میرا یہ دعوی نہیں ہے کہ یہ کوئی غیر معمولی تحقیق ہے، بلکہ داراشکوہ کو سمجھنے کی ایک عام سی کوشش ہے، لیکن اس کتاب میں ایک بات ضرور ہے کہ اس میں جو کچھ لکھا ہے وہ براہ راست داراشکوہ کی کتابوں سے لیا ہے۔ اس میں ثانوی مراجع کو صرف بطور معاون ہی اختیا کیا گیا ہے ان کے بھروسے کوئی بات ذکر نہیں کی گئی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ کتاب دراصل مختلف مضامین کا مجموعہ ہے۔ ان میں سے کچھ مضامین تو وہ ہیں جو گزشتہ چند سالوں کے دوران مختلف سیمناروں میں پیش کیے گئے تھے۔ ان کے علاوہ کچھ ایسے مضامین بھی ہیں جو اپنی ابتدائی شکل میں بطور تقریر لکھے گئے تھے اور ان کے مخاطب عام لوگ تھے۔ اس لیے ان مضامین میں زبان کا معیار عوامی ہی رکھا گیا اور مضامین بھی نسبتا سہل اور عام فہم منتخب کیے گئے ہیں۔ بعد میں ان تمام مضامین میں حذف و اضافہ اور ترمیم تنسیخ کر کے ان کو اس مجموعے میں شامل کیا ہے۔

چوں کہ اس کتاب میں شامل یہ مضامین اس کتاب کے ابواب نہیں ہیں۔ اس لیے اس کتاب کے اندر بعض مقامات پر تکرار محسوس ہوتی ہے۔ خاص طور پر مضامین کی تمہید میں تکرار کا احساس زیادہ ہوتا ہے۔ لیکن یہ ایسا مرحلہ ہے کہ اس سے بچنا ممکن نہیں۔ پھر بھی ان کو اس مجموعہ میں شامل کرتے ہوئے حتی الوسع تکرار حذف کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

کتاب کی ترتیب و تدوین کے لیے میں سب سے پہلے اپنے استاد گرامی قدر پروفیسر اختر الواسع کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جن کی مہمیز اور حوصلہ افزائی سے یہ اوراق پریشاں سلکِ کتاب میں شامل ہو پائے۔ ورنہ عرصے سے ان مضامین کا مسودہ عنقا صفت

اوقاتِ فرصت کا منتظر تھا۔ استاد گرامی کی رہنمائی سے یہ کتاب کی شکل میں مدون ہو سکے۔

ناسپاسی ہوگی اگر جناب سنجیو صراف اور ریختہ ڈاٹ کام کا شکریہ ادا نہ کیا جائے۔ بلا شبہ اس ادارے نے آج اردو کی کتابوں کی جو خدمت کی ہے وہ بے مثال ہے۔ راقم الحروف نے بھی اس کتاب کی ترتیب میں ریختہ ڈاٹ کام سے استفادہ کیا ہے۔ میں اس ادارے کا اور اس سے وابستہ تمام افراد کا فرداً فرداً شکریہ ادا کرتا ہوں۔

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے ڈائریکٹر جناب پروفیسر شیخ عقیل احمد کا شکریہ بھی ادا کرنا ضروری ہے۔ ان کی توجہات بھی ان حروف کی تسوید میں شامل رہی ہیں۔ بلکہ اس سلسلے کا آغاز انھی کے منعقد کردہ سیمنار سے ہوا تھا۔

تاہم اس کتاب کی ترتیب و تدوین کے لیے میں سب سے زیادہ شکر گزار ہوں جناب عبدالصمد ابراہیم کا، ان کی خصوصی توجہ سے ہی یہ مضامین معرض تحریر میں آئے اور اس مجموعہ کے کئی مضامین کی ترتیب و تزئین میں بھی ان کے مشوروں سے بہت استفادہ کیا گیا ہے۔ برادرم شبیر احمد خاں میواتی کا ذوق نظر اور ان کی ژرف نگاہی کی بدولت ہمیشہ حوصلہ افزا اور مفید مشورے ملتے ہیں، اس کتاب میں بھی ان کا تعاون شامل حال رہا۔ اللہ ان سب حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

کتاب کی کمپوزنگ، پروف ریڈنگ اور حسن ترتیب کے لیے میں اپنے دوست تنویر احمد کا شکر گزار ہوں۔

میری اہلیہ شمشاد بیگم، بیٹیاں بشریٰ خانم، ممتاز جہاں اور سنبل افشاں اور بیٹے وارث سہیل کا ان کے تعاون کے لیے بے حد شکریہ۔ خاص طور ممتاز جہاں نے مضامین کے پروف اور کمپوزنگ میں بڑا تعاون کیا۔ میں ان سب کے لیے دعا گو اللہ سب کے آسانیاں فراہم کرے اور زندگی کے دونوں مرحلوں میں کامیابی عطا فرمائے۔

ڈاکٹر محمد مشتاق تجاروی

جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

22 جنوری 2022

●●●

داراشکوہ ــــ ایک تعارف

مغل خاندان کے شہزادوں میں محمد داراشکوہ ایک منفرد شخصیت کے حامل تھے۔ وہ خود بھی بڑے عالم و فاضل تھے، بہت وسیع المطالعہ تھے، بہت اچھے شاعر تھے اور بہترین نثر نگار تھے۔ زبان و بیان پر ان کو غیر معمولی قدرت حاصل تھی۔ اسی کے ساتھ ساتھ وہ اہل علم و فضل کے بڑے قدر دان تھے، اہل علم و دانش کو خوب نوازتے تھے۔ وہ ایک اچھے مصنف بھی تھے، انھوں نے خود بھی کئی اہم کتابیں لکھیں اور دوسرے اہل علم سے بھی کتابیں لکھوائیں۔ وہ علما و صلحا کی بڑی قدر کرتے اور درویشوں اور فقیروں کی خدمت میں حاضری دیتے تھے۔ شاعروں کی بھی خوب سرپرستی کرتے تھے۔ کئی اچھے شاعر ان کے دربار سے وابستہ تھے۔

علم و دانش کے علاوہ داراشکوہ کی وسیع المشربی بھی ان کی ایک اہم خوبی تھی۔ وہ ہر مذہب کے لوگوں کی قدر کرتے تھے۔ وہ مذہبی رواداری اور بقائے باہم کے قائل تھے۔ انھوں نے اسلام کے علاوہ ہندو مذہب، عیسائیت اور یہودیت کا بھی مطالعہ کیا تھا۔ بلکہ ان کی شخصیت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ موجودہ دور میں عالمی پیمانے پر ہندو مذہب کے مطالعہ کی جو روایت ہے، اس کے بانی ہی شہزادہ داراشکوہ ہیں۔ دراصل انھوں نے اپنشدوں کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا تھا اس ترجمہ کی وجہ سے اہل یورپ ہندو مذہب کے افکار و نظریات اور اس کے فلسفے سے متعارف ہوئے اور پھر جرمنی اور یوروپ کے دوسرے ملکوں سے مستشرقین ہندستان آئے اور انھوں نے ہندو مذہب کے وسیع مطالعے کی بنیاد رکھی۔ اس طرح یہ کہہ سکتے ہیں کہ جدید دور میں ہندوستانیات اور ہندوستانی تہذیب و ثقافت کے

مطالعے کی روایت کے بانی داراشکوہ تھے۔اسی طرح داراشکوہ نے ہندو مذہب اور اسلام کے درمیان ہم آہنگی کی راہیں تلاش کرنے کی بھی کوشش کی اور اس کے لیے باضابطہ ایک کتاب یعنی مجمع البحرین تصنیف کی۔

شہزادہ محمد داراشکوہ کی عظمت کا اعتراف اہل علم ہمیشہ سے کرتے رہے ہیں۔ان کے تعارف میں زیادہ لوگوں کے اقوال نقل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔صرف امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد کی ایک تحریر ذیل میں پیش کی جارہی ہے۔انھوں نے لکھا ہے:

> ''شاہزادہ داراشکوہ ولی عہد سلطنت تھا۔سلسلہ مغلیہ میں داراشکوہ ایک عجیب طبیعت ودماغ کا شخص گزرا ہے اور ہمیشہ افسوس کرنا چاہیئے کہ تاریخ ہند کے قلم پر اس کے دشمن کا قبضہ رہا، اسی لیے اصلی تصویر پولیٹیکل چالوں کے گرد وغبار میں چھپ گئی۔وہ ابتداء سے درویش دوست اور صوفیانہ دل ودماغ کا شخص تھا اور ہمیشہ فقراء اور ارباب تصوف کی صحبت میں رہتا تھا، اس کی بعض تحریرات جو دست برد حوادث سے بچ گئی ہیں، بتلاتی ہیں کہ ان کا لکھنے والا ذوق وکیفیت سے خالی نہیں، اس کے صاحب ذوق ہونے کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ تلاش مقصد میں قید وحرم کی تمیز اٹھادی تھی اور جس نیازمندی کے ساتھ مسلمان فقراء کے آگے سر جھکاتا تھا ویسی ہی عقیدت ہندودرویشوں سے بھی رکھتا تھا۔'' (1)

محمد داراشکوہ مغل عہد کے انتہائی دورعروج میں پیدا ہوئے،ان کے والد شاہجہاں ان کے دادا سلطان جہانگیر اور پردادا اکبر اعظم تھے۔اس لیے ان کے پاس جاہ ومنزلت، علم وحکمت کے وسائل اور مال ودولت کے اسباب میں ہر طرح کی فراوانی تھی۔داراشکوہ کی والدہ وہ عظیم خاتون تھیں جو آج بھی محبت کی لازوال یادگار تاج محل کے اندر آسودہ خواب ہیں اور جن کے نام پر تاج محل بنا ہے جس کا اصل نام ہی مقبرہ ممتاز محل ہے۔کثرت استعمال سے ممتاز محل تاج محل ہوگیا۔

داراشکوہ تین بہنوں کے بعد پیدا ہوئے تھے۔یعنی ملکہ ممتاز محل کے لگاتار تین بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ان کے بعد داراشکوہ کی پیدائش ہوئی تھی۔مشہور ہے کہ داراشکوہ کی

پیدائش سے قبل شاہجہاں نے اجمیر جا کر منت بھی مانی تھی۔ داراشکوہ کی جائے ولادت بھی اجمیر ہے۔ امیدوں اور آرزوؤں کی فضا میں داراشکوہ پیدا ہوئے۔ اس لیے وہ سب کے چہیتے بن گئے۔ پورے خاندان کو ان سے خصوصی محبت تھی اور سلطان جہانگیر تو ان پر جان چھڑکتے تھے۔ والد اور والدہ کے ساتھ بہنوں کا بھی خصوصی پیار اور دلار ان کے حصے میں آیا۔

داراشکوہ کی ولادت بروز پیر، 29 ،صفر المظفر 1024 مطابق 30 مارچ 1615 کو اجمیر میں ہوئی۔ دادا یعنی سلطان جہانگیر نے محمد داراشکوہ نام تجویز کیا۔ ان کی پیدائش پر بڑا جشن منایا گیا۔ غریب اور نادار لوگوں میں خوب خیرات تقسیم کی گئی، داد و دہش کی فراوانی ہوئی اور دربار کے شعراء نے ان کی پیدائش پر بڑے بڑے قصیدے لکھے۔ اجمیر میں زبردست جشن منایا گیا۔ مشہور شاعر ابو طالب کلیم نے درج ذیل مصرع سے تاریخ ولادت نکالی: (2)

گل اولین گلستان شاہی

(شاہی باغ کا پہلا پھول)

(اس مصرع کے حروف سے ابجدی طریقے سے اعداد نکالنے پر داراشکوہ کا سنہ پیدائش برآمد ہو جاتا ہے۔)

محمد صالح کنبوہ جو عہد شاہجہانی کے ایک معروف مؤرخ ہیں انھوں نے کئی صفحات میں اس جشن کا تذکرہ کیا ہے جو سلطان جہانگیر نے داراشکوہ کی پیدائش برپا کیا تھا۔

داراشکوہ کا بچپن دوسرے مغل شہزادوں کی طرح انتہائی بے فکری اور ناز و نعم میں گزرا، جب وہ سن تعلیم کو پہنچے تو دادا نے اپنے دور کے دو نہایت مشہور عالموں کو ان کی تعلیم و تربیت کے لیے مقرر کیا۔ ان میں سے ایک کا نام علامہ عبداللطیف اور دوسرے کا نام شیخ میرک ہے۔ یہ دونوں لوگ مختلف علوم کے ماہر تھے اور اپنے زمانے کے یکتا استاد مانے جاتے تھے۔ داراشکوہ خاص طور پر شیخ میرک سے بہت متاثر تھے۔ ان کا ذکر داراشکوہ نے بھی متعدد مرتبہ کیا ہے۔

روایتی علوم کی تحصیل کے ساتھ ساتھ اور دستور زمانہ کے مطابق داراشکوہ نے خطاطی کی بھی مشق کی اور اس میں بڑی مہارت حاصل کی۔ خطاطی میں ان کے استاد مشہور زمانہ خطاط آقا عبدالرشید دیلمی تھے جو خط نستعلیق کے بانی میر عماد کے سگے بھانجے تھے۔ مختلف تذکرہ نگاروں نے یہ بھی لکھا ہے کہ داراشکوہ کو خطاطی کے علاوہ فن مصوری سے بھی بڑا شغف تھا۔ اگرچہ ان کی مصوری کے نمونے نہیں ملتے لیکن ان کی خطاطی کے کئی نمونے ملتے ہیں۔ تقریباً بارہ وصلیاں دستیاب ہیں۔ ان نمونوں کے اندر گل بوٹوں کی روش اور وصلی کو سجانے کے لیے مصوّر حاشیوں میں ان کی مصوری کے نمونے دیکھے جا سکتے ہیں۔ تاہم انھوں نے اپنے عہد کی اور اپنے سے پہلے کے لوگوں کی مصوری اور خطاطی کے نمونوں پر مشتمل ایک کتاب ضرور ترتیب دی تھی۔

روایتی علوم سے فارغ ہونے کے بعد داراشکوہ کاروبار سلطنت میں مشغول ہو گئے۔ سیاست اور نظم و انتظام کی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ ان کے اندر علم و ادب کا ذوق بھی پروان چڑھتا رہا۔ مختلف موضوعات پر مطالعہ بھی جاری رہا۔ خاص طور پر تصوف اور اسلامی تاریخ کا انھوں نے وسیع مطالعہ کیا۔

اس کے بعد جب ہندو مذہب کا مطالعہ شروع کیا تب ان کو احساس ہوا کہ سنسکرت زبان سیکھے بغیر ہندو مذہب کو نہیں سمجھا جا سکتا۔ اس لیے عمر کا ایک مرحلہ گزرنے کے بعد انھوں نے سنسکرت زبان بھی سیکھی اور بنارس کے پنڈتوں سے اور مختلف جوگیوں جیسے بابالال بیراگی وغیرہ سے ویدانت اور یوگ کے رموز سیکھے اور ہندوستانی علوم وفنون میں بھی مہارت حاصل کی۔

داراشکوہ کی والدہ ملکہ ممتاز محل اپنے بیٹے کی شادی سلطان پرویز کی بیٹی نادرہ بیگم سے کرنا چاہتی تھیں، لیکن داراشکوہ کی شادی کی عمر سے پہلے ہی ملکہ ممتاز محل کا انتقال ہو گیا تھا۔ اس لیے ان کی خواہش کے احترام میں شاہجہاں نے ان کی شادی نادرہ بیگم سے ہی کی۔ یہ شادی بڑی دھوم دھام سے آگرہ میں ہوئی تھی۔ محمد صالح کنبوہ نے اس شادی کی رونق کا ذکر بڑی تفصیل سے کیا ہے۔ ان کے مطابق اس شادی میں 16 لاکھ روپیے خرچ

ہوئے تھے۔ 7 لاکھ 50 ہزار کے تو صرف زیورات تھے۔ محمد صالح نے اس شادی کے تمام مصارف کی تفصیل بیان کی ہے اور شادی کے ہنگاموں کا بیان انھوں نے بڑی تفصیل کے ساتھ دس صفحات میں کیا ہے۔ (3)

اس شادی کے موقع پر بعض مناظر کی تصویریں بھی بنائیں گئی تھی۔ یہ تصاویر آج بھی موجود ہیں، ان میں سے بعض تصاویر سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس شادی میں آتش بازی بھی ہوئی تھی۔ ہندستان کے اندر تقریبات کے مواقع پر آتش بازی تو ہوتی رہی ہوگی لیکن اس کا ایک قدیم دستاویزی ثبوت یہ تصاویر ہیں۔

بعض لوگوں نے داراشکوہ کی انتظامی قابلیتوں پر سوالات کیے ہیں، ان کے مزاج میں ترشی کا بھی حوالہ کچھ لوگ دیتے ہیں لیکن اگر پورے حالات کو دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ مجموعی طور پر وہ اچھے سیاست داں تھے۔ البتہ امن پسند داراشکوہ نے فوجی مہارت سے کم حصہ پایا تھا۔ فوجی مہارت میں ان کے کچھ بھائی ان سے کم نہیں، بلکہ بعض اعتبار سے زیادہ ہی تھے۔ خاص طور پر اورنگ زیب عالم گیر کی فوجی قابلیت اس وقت بھی مسلم تھی۔

شاہجہاں داراشکوہ کو اپنا جانشین بنانا چاہتے تھے، لیکن کاروبار سلطنت سے اورنگ زیب کو بھی 'دل چسپی' تھی اور مراد کو بھی۔ اس لیے شاہجہاں نے جلد ہی یہ محسوس کرلیا تھا کہ میرے بعد حالات داراشکوہ کے لیے بہت سازگار نہیں ہوں گے، اس لیے انھوں نے اپنے تین حوصلہ مند بیٹوں کو ملک کے تین الگ الگ علاقوں میں بھیج دیا اور داراشکوہ کو اپنا ولی عہد قرار دے دیا اور اس کے بعد لگاتار ان کے عہدے اور مناصب میں اضافہ کیا جاتا رہا۔ حتیٰ کہ آخر میں ان کو وہ اعزازات ملے جو پورے عہد مغلیہ میں کسی ایک فرد کو بیک وقت حاصل نہیں ہو سکے تھے۔ محمد صالح کے مطابق شاہجہاں نے ان کو 60 ذات اور 40 ہزار سوار کا منصب دیا اور اس میں 30 ہزار فوجی دو اسپہ اور سہ اسپہ تھے یعنی ایسے فوجی تھے جن کے پاس دو یا تین گھوڑے تھے۔ (4) عہد مغلیہ کے اعتبار سے یہ بہت بڑی حیثیت تھی۔ آج جب وہ مناصب وعہدے ختم ہو چکے ہیں، ان کی معنویت ختم ہوگئی تو اس حیثیت کا صحیح اندازہ کرنا بھی مشکل ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ عہدے اور یہ حیثیت ایک عظیم سلطان کے

برابر تھی۔

عبدالحمید لاہوری بھی عہد شاہجہانی کے ایک عظیم مؤرخ ہیں۔انھوں نے بھی داراشکوہ کے مناصب کا بیان کیا ہے لیکن انھوں نے لکھا ہے کہ ان کو بیس ہزار سوار، دس ہزار سوار دواسپہ وسہ اسپہ کا منصب تھا۔(5) عبدالحمید لاہوری کی وفات 1654 میں ہوگئی تھی۔ اس سے پہلے ہی انھوں نے اپنی کتاب لکھی ہوگی اور داراشکوہ کو یہ مناصب اس کے بعد ملے تھے، اس لیے انھوں نے پورے مناصب کا ذکر نہیں کیا۔ ویسے عبدالحمید لاہوری نے بھی عہد شاہجہانی کے امراء میں سب سے پہلا نام داراشکوہ کا ہی لیا ہے۔یعنی اس وقت تک دربار میں سب سے زیادہ قدر ومنزلت داراشکوہ کو ہی حاصل ہوگئی تھی۔

شاہجہاں نے داراشکوہ کو پہلے الٰہ آباد کا صوبیدار یعنی گورنر بنایا، پھر پنجاب وملتان کا صوبیدار بنایا، اس کے بعد بہار اور گجرات کا بھی صوبیدار بنایا تھا۔داراشکوہ نے ہر جگہ کا انتظام اچھا کیا۔لیکن وہ خود اس پورے دورانیے میں زیادہ تر آگرہ میں رہتے تھے اور یہیں کے رہتے ان علاقوں کا نظم وانتظام سنبھالتے تھے۔

آگرہ میں داراشکوہ کا زیادہ رہنا ان کے لیے نقصان دہ ثابت ہوا، ایک تو یہ ہوا کہ آگرہ میں رہنے کی وجہ سے وہ حکومت کے نظم وانتظام کا براہ راست زیادہ تجربہ حاصل نہیں کرسکے جن کی بادشاہ بننے کے لیے ضرورت تھی۔ دوسرا نقصان یہ ہوا کہ داراشکوہ کے بھائی ان کے خلاف ہوگئے۔ان کے ساتھ شاہجہاں کی غیر معمولی محبت ڈھکی چھپی نہیں تھی، ساتھ ہی ان کے بھائیوں کو یہ شک بھی تھا کہ ان کے خلاف بادشاہ کی طرف سے جو بھی سرزنش ہوتی ہے یا کوئی بھی کارروائی ہوتی ہے وہ داراشکوہ کی شکایت پر ہوتی ہے۔ اس لیے سارے بھائی ان سے ناراض رہنے لگے اور بادشاہ کے زیادہ قریب رہنے کی وجہ سے ان کے بھائی ان سے حسد بھی کرنے لگے۔ ساتھ ہی ان کے مناصب کی ترقیوں نے بھائیوں کو اور بھی ناراض کردیا۔

مغل دربار کی سیاست ویسے بھی بہت پیچیدہ رہی ہے۔اس سیاست میں ہمیشہ مغل خاندان کی خواتین کا بھی ایک اہم کردار رہا ہے۔ خاص اس دور میں شاہجہاں کی دو بیٹیوں

یعنی روشن آرا بیگم اور جہاں آرا بیگم کا بھی بہت اہم کردار ہے لیکن اس کی تفصیل میں جانے کو موقع نہیں ہے۔

دارا شکوہ ان تمام مشکلات اور رکاوٹوں سے بے نیاز، مادی اور روحانی دونوں طرح کی ترقیوں کی راہ پر گامزن رہے۔ظاہری طور پر ان کے عہدے اور مناصب میں ترقی ہوتی رہی اور اسی دوران میں ان کو لاہور کے ایک بڑے صوفی بزرگ حضرت میاں میرؒ سے بڑی عقیدت ہوگئی تھی ،ان کے فیض 'تصرف' سے ان کو باطنی اور روحانی ترقیاں بھی حاصل ہوتی رہیں۔حضرت میاں میرؒ وہی بزرگ ہیں جنھوں نے امرت سر میں سکھوں کے مقدس مقام گولڈن ٹیمپل کا سنگ بنیاد رکھا تھا۔(6)

دارا شکوہ کو حضرت میاں میرؒ سے عقیدت ہوئی تو ان سے اخذ و استفادے کا سلسلہ شروع ہوگیا۔لاہور کی طرف دارا شکوہ کا رخ بڑھ گیا اس لیے لاہور کو انھوں نے بڑی ترقی دی۔انھوں نے وہاں کافی تعمیرات کروائیں، لاہور کو ترقی دینے کے لیے کئی منڈیاں تعمیر کروائیں اور ایک شیش محل بنوایا تھا جس کی تعریف میں شعراء کے قصیدے موجود ہیں،تاہم یہ محل اب موجود نہیں ہے۔فرط عقیدت میں اور حضرت کی سوانح عمری لکھنے کے لیے دارا شکوہ خود بھی کافی دن لاہور میں رہے۔

لاہور سے تو دارا شکوہ کو حضرت میاں میر کی وجہ سے عقیدت ہوگئی تھی،لیکن لاہور کے علاوہ ان کو کشمیر سے بھی بڑی دلچسپی رہی تھی۔اپنے دادا سلطان جہانگیر کے عہد حکومت میں وہ کشمیر آئے تھے اور یہاں پہلگام کے قریب دریائے جہلم کے کنارے ایک باغ تعمیر کیا تھا۔جو تاریخ میں باغِ دارا شکوہ کے نام سے معروف رہا ہے۔اس باغ کے کچھ آثار و نقوش ابھی تک موجود ہیں۔اس باغ میں سب سے خاص بات یہ ہے کہ اس میں شہزادہ دارا شکوہ نے دو یا تین منزلہ ایک عمارت بنوائی تھی جس میں اُن کا کتب خانہ تھا۔اس باغ اور کتب خانہ کے باقیات بھی ابھی تک موجود ہیں۔

دارا شکوہ کی شخصیت پر اگرچہ علمیت اور تصوف وسلوک کا غلبہ تھا لیکن ایسا نہیں ہے کہ وہ ملکی اور سیاسی کاموں سے الگ رہتے ہوں۔وہ علم و دانش کی دنیا میں بھی پوری طرح

مصروف رہتے تھے اور کاروبار سیاست میں بھی۔ البتہ حکومت وسیاست میں ان کی مصروفیت زیادہ تر انتظامی امور میں رہی۔انھوں نے فوجی نوعیت کے کاموں میں زیادہ دل چسپی نہیں لی۔ ایوان سلطنت میں ان کی امن پسندی ان کے لیے امتحان بن گئی اور ایک موقع پر زندگی نے ان کا ایک بڑا امتحان لے ڈالا۔ دراصل اورنگ زیب قندھار کی جنگ ہار کر واپس آئے، کسی نے داراشکوہ کو یہ احساس دلایا کہ اگر وہ قندھار فتح کرلیں تو اورنگ زیب کی فوجی قابلیت کے چرچے ختم ہو جائیں گے۔ داراشکوہ نے یہ چیلنج قبول کرلیا اور قندھار پر فوج کشی کے لیے تیار ہو گئے۔

جیسا کہ معلوم ہے شاہجہاں کے عہد حکومت تک قندھار تک ہندستان کی سرحد تھی۔ ایران کے صفوی بادشاہ شاہ صفی نے قندھار پر قبضہ کرلیا۔شاہجہاں نے اورنگ زیب کو فوج دے کر بھیجا کہ وہ قندھار کو صفوی حکمرانوں سے واپس لے۔لیکن اورنگ زیب کی یہ مہم ناکام رہی۔اس کے بعد داراشکوہ نے ازخود اپنا نام پیش کیا کہ وہ قندھار کو واپس لے لیں گے۔لیکن یہ شہزادہ داراشکوہ کی طرف سے بڑی غلطی ہوگئی اور اصل میں قندھار کے میدان میں ناکامی کے سبب ان کے بارے میں عام تأثر یہ بن گیا کہ ان کے اندر فوجی قابلیت کم ہے۔قندھار کے میدان میں اورنگ زیب بھی ناکام رہے اور داراشکوہ بھی لیکن اس کا سب سے زیادہ نقصان داراشکوہ کو اٹھانا پڑا۔

شاہجہاں نے صفوی حکمرانوں سے قندھار کو واپس لینے کے لیے ایک بڑی فوج ترتیب دی۔ داراشکوہ کو اس جنگ کا سپہ سالار بنایا گیا۔ بہت ساری نئی توپیں بنوائیں۔ ماہر توپچیوں کو بھرتی کیا گیا۔ جنگ کی ریہرسل کے لیے قلعہ قندھار کا ایک مصنوعی قلعہ بنایا گیا اور اس پر حملہ کر کے جنگ کی حکمت عملی تیار کی گئی۔ بہر حال بڑی تیاریوں کے بعد فروری 1653 میں قندھار پر حملہ کیا گیا۔محمد صالح کنبوہ جنھوں نے یہ تمام واقعات بچشم سر دیکھے تھے اور اپنی کتاب عمل صالح میں لکھے تھے انھوں نے اس جنگ کی تیاریوں کا حال کافی تفصیل سے لکھا ہے کہ کتنی فوج جمع کی گئی، کیسے کیسے ماہرین فنون حرب یکجا کیے اور کیسا ساز وسامان فراہم کیا۔(7)

قندھار میں صفویوں کی دفاعی لائن بہت مضبوط تھی۔اگرچہ داراشکوہ نے اپنی پوری صلاحیت لگا دی تھی لیکن قندھار فتح نہیں ہوا۔نہ صرف یہ کہ قندھار فتح نہیں ہوا بلکہ اس جنگ میں مغل فوج کا جانی اور مالی نقصان بھی بہت ہوااور یہ حملہ بھی بری طرح ناکام رہا۔ چوں کہ اس فوج میں زیادہ تر بڑے بڑے سردار موجود تھے ان کو یہ احساس تھا کہ اس جنگ میں حکمت عملی کی کمی رہی اس لیے مغل فوج یہ جنگ ہار گئی۔یہ سارا الزام داراشکوہ کے سر گیا اور اسی لیے داراشکوہ کی یہ ناکامی خود ان کے لیے بڑے دوررس اور نقصان دہ اثرات کی حامل ثابت ہوئی۔

داراشکوہ کے لیے قندھار کی جنگ ایک موقع تھا اور اس جنگ میں شکست کے بعد وہ اس میدان میں توجہ دے کر اپنے لیے نئے مواقع تلاش کر سکتے تھے،لیکن داراشکوہ نے اپنی فوجی قابلیت بڑھانے کی طرف کوئی توجہ نہیں دی اور جنگ میں ہارنے کے بعد واپس آ کر پھر آگرہ میں ہی رہنے لگے اور مزید یک سوئی سے مطالعہ اور بحث و تحقیق میں لگ گئے۔ جب کہ ان کے تین طالع آزما بھائی اپنے اپنے علاقوں میں اپنی طاقت بڑھاتے رہے۔انھوں نے جنگی حکمت کے نئے تجربات کیے۔فوجی طاقت بڑھائی اور مرکز میں بھی اور مرکزی فوج میں بھی اپنے ہمدرد پیدا کر لیے۔خاص طور پر اورنگ زیب اس معاملے میں زیادہ کامیاب رہے۔

شاہجہاں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ داراشکوہ،اورنگ زیب،شجاع اور مراد چاروں تخت کے دعویدار ہیں اور چاروں کے پاس فوج ہے،طاقت ہے۔وہ دن دور نہیں جب ان کی فوجی قابلیت امتحان کے لیے میدان جنگ میں اترے گی۔اس لیے انھوں نے درباری امراء پر خصوصی توجہ دی کہ وہ ہر حال داراشکوہ کے وفادار رہیں تاکہ بڑے درباری امرا کا ساتھ ان کو حاصل رہے۔

1657 میں شاہجہاں کی بیماری کی خبر عام ہوئی۔حکومت کے امیدوار بیٹوں نے اس بیماری کو مرض الموت سمجھ کر دارالسلطنت کا رخ کیا۔ بلکہ ان کو یقین ہو گیا تھا کہ اب شاہجہاں کی وفات ہو چکی ہے اس لیے انھوں نے باضابطہ اپنی اپنی تاج پوشی کر لی اور آگرہ

کی طرف اپنی تخت نشینی کی امید لے کر روانہ ہوئے۔ سب سے پہلے شجاع نے باضابطہ تاج پوشی کر کے آگرہ کا رخ کیا۔ لیکن شاہجہاں کے حکم سے داراشکوہ کا بیٹا سلیمان شکوہ مقابلہ کے لیے آیا۔ بنارس کے قریب چچا اور بھتیجے کی فوجوں کے درمیان مقابلہ ہوا اور شہزادہ شجاع کو کراری ہار کا سامنا کرنا پڑا۔

کامیابی کے نشے میں سلیمان شکوہ نے اورنگ زیب کو بھی شجاع کی طرح سمجھا اور مزید تیاری کے بغیر اورنگ زیب کی طرف رخ کیا۔ اجین کے قریب دھرمات کے میدان میں دونوں کا مقابلہ ہوا۔ اس جنگ میں سلیمان شکوہ کو شکست ہوئی۔ اس کے بعد اورنگ زیب اور مراد کی متحدہ افواج نے آگرہ کا رخ کیا۔

داراشکوہ جو ولی عہد بھی تھے انھوں نے آگرہ سے باہر نکل کر تقریباً 8 کلومیٹر دور ساموگڑھ میں قیام کیا۔ اسی مقام پر دونوں فوجوں کی جنگ ہوئی۔ اگر چہ داراشکوہ کی فوج بھی زیادہ تھی اور وسائل بھی زیادہ تھے، دوسری طرف اورنگ زیب اور مراد کی فوجی قوت کم تھی، لیکن اورنگ زیب کی جنگی مہارت اس کے کام آئی اور اس نے داراشکوہ کی فوج کو ہرادیا۔

بہرحال جنگ کا نتیجہ ہوا کہ 29 مئی 1658 کو اس جنگ میں داراشکوہ کو شکست ہوئی۔ اس کی فوج منتشر ہوگئی اور وہ بڑی بے سروسامانی میں آگرہ کی طرف واپس آئے۔ داراشکوہ نے ایک غلطی مزید یہ کی کہ بجائے آگرہ میں رہ کر مقابلہ کرنے کے وہ چپکے سے اپنے اہل وعیال کو لے کر پنجاب کی طرف چلے گئے۔ اپنا خزانہ اور اپنے بچے کھچے فوجی بھی ساتھ لے گئے۔ اورنگ زیب کی فوج فاتحانہ شان سے آگرہ پہنچی اور اس نے آگرہ میں پڑاؤ ڈالا۔

شاہجہاں نے اورنگ زیب کی سرزنش کی اور ان کو اپنے دربار میں حاضر ہونے کا حکم دیا، لیکن اورنگ زیب بھی جانتا تھا اور بعض درباری امرا نے اورنگ زیب کو اشارہ بھی کر دیا تھا کہ اگر اورنگ زیب نے قلعہ میں قدم رکھا تو موت ہی آئے گی۔ اس لیے ایک طویل گفت وشنید کے بعد اوررنگ زیب نے اس شرط پر قلعہ میں حاضری کی بات منظور کی

کہ قلعہ کی تمام برجوں پر اورنگ زیب کے فوجی ہوں گے۔شاہجہاں نے اس کی اجازت دے دی۔اس طرح آگرہ کے قلعہ پر اورنگ زیب کا قبضہ ہوگیا اور اس نے قلعے میں داخل ہوکر شاہجہاں کو دربار خاص کے احاطہ میں ہی نظر بند کر دیا۔اس طرح نہایت آسانی کے ساتھ پورے ہندستان پر اورنگ زیب کی حکومت قائم ہوگئی۔

عہد شاہجہانی کے مشہور مؤرخ محمد صالح کنبوہ نے داراشکوہ کی جنگ اور لاہور جانے وغیرہ کے حالات، پھر شاہجہاں کے ذریعے اورنگ زیب کی سرزنش، باہم خط و کتابت،اورنگ زیب کے عذر و معذرت اور جنگ کا الزام داراشکوہ پر ڈالنے کی کوشش وغیرہ کا تذکرہ کافی تفصیل سے کیا۔اس سلسلے کے کئی خطوط بھی نقل کیے ہیں اور شاہجہاں کے قلعہ میں نظر بند ہونے نیز داراشکوہ کی آشفتہ سامانی کے احوال اور ان کے قتل ہونے تک حالات کافی تفصیل سے لکھے ہیں۔ان کے بیانات کی خاص بات یہ ہے کہ تاریخ اور بعض اوقات وقت کا بھی خیال رکھتے ہیں،مثلاً داراشکوہ کے بارے میں لکھا ہے کہ شہزادہ داراشکوہ رات میں آگرہ پہنچے اور ایک رات کا صرف ایک پہر ہی آگرہ میں رہے اس کے بعد فوراً لاہور کی طرف روانہ ہوگئے۔(8)

داراشکوہ نے آگرہ سے جانے کے بعد پہلے لاہور میں قیام کیا۔چونکہ وہ لاہور اکثر آتے تھے اور لاہور میں ان کے پیر بھی تھے،لاہور کو انھوں نے بڑی ترقی بھی دی تھی،اس لیے ان کو امید تھی کہ لاہور میں ان کو عوامی حمایت مل جائے گی۔انھوں نے وہاں رہ اپنی فوج کی تنظیم بھی شروع کر دی تھی،لیکن اورنگ زیب نے بھی پنجاب کا رخ کیا،ہوسکتا ہے کہ داراشکوہ کو لاہور میں رہ جس تحفظ کی امید رہی ہو وہ بھی ان کو میسر نہ آسکا ہو۔اس لیے انھوں نے وہاں سے ملتان کی طرف روانہ ہوگئے۔وہاں رہ کر اپنی فوج کو دوبارہ منظّم کرنے کی کوشش کی۔چوں کہ یہاں رہ کر فوج کی تنظیم میں بڑی مشکلات پیش آرہی تھیں اس لیے داراشکوہ کی خواہش تھی کہ وہ قندھار یا ایران چلے جائیں،اس کے لیے انھوں نے صفوی بادشاہ کو خط بھی لکھا تھا لیکن داراشکوہ کی فوج تیار نہیں ہوئی۔

داراشکوہ کی بیوی نادرہ بیگم نے بھی قندھار جانے سے انکار کر دیا۔مجبوراً داراشکوہ کو

بھکر کا رخ کرنا پڑا، اورنگ زیب کی فوج لگاتار تعاقب کر رہی تھی۔ دارا شکوہ سندھ کے متعدد شہروں میں پھرتے رہے۔ آگرہ کے تعیش خانوں میں پرورش پانے والے شہزادے کے مقدر میں سندھ کے ریگستانوں میں خاک چھاننا مقدر ہو گیا تھا۔ نئی فوج بھرتی کرنا اور مشکل ہو رہا تھا بلکہ پرانی فوج بھی رفتہ رفتہ بد دل ہو رہی تھی اور مایوس ہو کر ان کا ساتھ بھی چھوڑنے لگی۔

دارا شکوہ اس پریشان حالی میں راجستھان کے راستے سندھ سے گجرات کی طرف چلے۔ یہ راستہ بڑا دشوار گزار تھا۔ پانی کی بھی قلت تھی۔ راستہ کی صعوبت اور پریشانی میں ایک بڑا صدمہ یہ ہوا کہ نادرہ بیگم کا انتقال ہو گیا۔ مشہور ہے کہ نادرہ بیگم کا انتقال پیاس کی وجہ سے ہوا تھا۔ پانی میسر نہ ہوا اور پیاس کی شدت میں ان کی وفات ہو گئی۔ یہ بڑی عبرت کی بات ہے کہ جس خاتون کو اس کی شادی پر چار سو سال پہلے ساڑھے سات لاکھ کے زیورات ملے تھے، چند سال کے بعد وہی باعظمت خاتون پانی کے چند قطروں کے تڑپتی ہوئی اس دنیا سے رخصت ہو گئیں۔ اللہ پاک سب پر رحم فرمائے۔

دارا شکوہ کو اپنی بیوی نادرہ بیگم سے بے انتہا محبت تھی۔ دارا شکوہ نے شادی بھی ایک ہی کی تھی۔ ان کی وفات کا صدمہ ان کے لیے بڑا جاں کاہ ثابت ہوا۔ اسی پریشانی میں وہ بہت دن تک مبتلا رہے۔ بیوی کی جدائیگی اور بے گھر و بے در کی زندگی میں وہ کئی مہینے ایسے ہی پھرتے رہے۔ بعد میں انھوں نے احمد نگر کا رخ کیا اور وہاں ایک مہینہ گزارا اور وہاں کوشش کر کے ایک بڑی فوج تیار کرنے کی کوشش کی۔

دارا شکوہ کے پاس ایک بڑا خزانہ تھا اور شاہجہاں کا بیٹا ہونے کی بڑی نسبت بھی تھی اس لیے احمد نگر میں انھوں نے ایک بڑی فوج جمع کر لی اور اجمیر ہوتے ہوئے دوبارہ آگرہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ اسی ارادے سے وہ اپنی فوج لے کر چلے۔ لیکن اورنگ زیب کے جاسوس ان کے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ جیسے ہی ان کی فوج اجمیر کے نواح میں پہنچی وہاں اورنگ زیب کی فوجوں سے مقابلہ ہو گیا اور اس جنگ میں دارا شکوہ کو ایک مرتبہ پھر شکست کا منھ دیکھنا پڑا۔

داراشکوہ وہاں سے فرار ہوکر دوبارہ سندھ گئے اوراس دفعہ ان کا پورا ارادہ تھا کہ قندھار کی طرف نکل جائیں۔لیکن اب ان کے پاس نہ فوج زیادہ تھی، نہ خزانہ ہی باقی تھا۔ اس لیے یہ سفر اور بھی مشکلات سے بھر پور تھا اور اسی دوران میں اورنگ زیب کو بھی ان کی نقل وحرکت کا اندازہ ہوگیا تھا اس لیے اس نے راجہ جے سنگھ کے ذریعے ہندستان کے باہر جانے کے سارے بند کرادیے تھے۔ایک افغان سردار ملک جیون جو داراشکوہ کا احسان مند تھا اس سے داراشکوہ نے ہندستان کی سرحد پار کرنے کے لیے مدد مانگی کہ وہ اس کو اس حصار سے نکلنے میں مدد کرے۔اس نے مدد کی بھی لیکن بعد میں اسی نے غداری کر کے داراشکوہ کو گرفتار کرادیا۔

داراشکوہ کو قید کرنے کے بعد عہد شاہجہانی کے مشہور سردار خلیل اللہ خاں ان کو لے کر دہلی آئے۔داراشکوہ عوام میں بہت مقبول تھے اس کا اندازہ اس وقت ہوا کہ جب ان کو قید کر کے دہلی لایا گیا تو دہلی کے عوام ان کی حمایت میں سڑکوں پر نکل آئے اور ان کی حمایت ایک بہت بڑا جلوس نکالا گیا۔

دہلی کے لوگوں نے اگر چہ یہ جلوس داراشکوہ کی حمایت میں نکالا تھا لیکن اس کا اثر داراشکوہ کے حق میں اچھا نہیں ہوا،اس کی وجہ سے اورنگ زیب کو اندیشہ ہوا کہ کہیں داراشکوہ کی حمایت میں عوامی بغاوت نہ ہو جائے۔ اس لیے دوسرے ہی دن 30 اگست 1659 کو داراشکوہ کو قتل کر دیا گیا اور ان کی میت اسی لباس میں جو شہادت کے وقت پہنے ہوئے تھے، ہمایوں کے مقبرے میں دفن کی گئی۔

محمد صالح کنبوہ نے شہزادہ محمد داراشکوہ کی گرفتاری اور ان کی شہادت کے واقعات کو بڑے جذباتی انداز میں لکھا ہے اور ان کی تدفین تک کی تفصیلات بیان کی ہیں۔انھوں نے ہی یہ بات لکھی ہے کہ داراشکوہ کو اسی لباس میں دفن کیا گیا تھا جو وہ شہادت کے وقت پہنے ہوئے تھے۔لیکن انھوں نے اس قصے کا کوئی ذکر نہیں کیا جو لوگوں نے مشہور کر رکھا ہے کہ داراشکوہ کا سر کاٹ کر شاہجہاں کو بھیجا گیا تھا۔(9)

بہت سے لوگ اس پورے قصے میں یک طرفہ طور پر اورنگ زیب کے ظلم و جبر اور

داراشکوہ کی مظلومیت کی کہانی بیان کرتے ہیں۔ لیکن یہ بہر حال ایک حقیقت ہے کہ مغل خاندان میں شہزادگی ہمیشہ تلوار کی چھاؤں میں جوان ہوتی رہی ہے اور نئے بادشاہ کی تاج پوشی پر کچھ نہ کچھ شہزادوں کی بلی چڑھائی جاتی رہی ہے۔ اورنگ زیب کی تاج پوشی پر داراشکوہ اور سلیمان شکوہ کے خون کی چھینٹیں ہیں اور اگر داراشکوہ کی تاج پوشی ہوتی تو وہ یقینی طور اورنگ زیب کے خون کی قیمت پر ہوتی۔

البتہ مغل دربار کی سیاست اپنی جگہ لیکن یہ بات یقینی ہے کہ داراشکوہ کی علمیت اور ان کا فضل وکمال ایسا تھا کہ اگر وہ زندہ رہتے تو کئی اعتبار سے ملک کے لیے بڑے خوش آئند ہوتے۔

داراشکوہ کی دردناک موت نے مغل تاریخ میں ایک نئے دور کا دروازہ بند کر دیا۔ دارا شکوہ بہت کریم النفس، فیاض، عقیدت مند، صوفی منش انسان تھے۔ علم وتعلم کے دلدادہ، کتابوں کے شوقین، علماء وصوفیہ کی صحبت کے شوقین تھے۔ خود بھی بہت بڑے صوفی تھے۔

●●●

حواشی:

1 مولانا ابوالکلام آزاد: حیات سرمد، طبع لکھنؤ، بدون سنہ، ص 18

2 محمد صالح کنبوہ: عمل صالح الموسوم بی شاہجہاں نامہ، ترتیب و حاشیہ، دکتر غلام یزدنی، ترمیم و تصحیح، دکتر وحید قریشی، مجلس ترقی ادب لاہور، طبع دوم، 1968، جلد اول، ص: 79-76

3 ایضاً، جلد ص: 445-435

4 ایضاً، جلد سوم، ص: 346

5 عبدالحمید لاہوری: پادشاہ نامہ، زیر نگرانی، میجر ڈبلیو این لیز، کلکتہ، 1868، جلد دوم، ص: 717

6 داراشکوہ نے حضرت میاں میر قادری کے اوپر ایک مستقل کتاب سکینۃ الاولیا لکھی ہے۔ اس کتاب میں اس کا تفصیلی تعارف شامل ہے۔

7 عمل صالح، جلد سوم، ص: 121-117

8 ایضاً، جلد سوم، ص: 262-220

9 ایضاً، جلد سوم، ص: 264

●●●

داراشکوہ کی تصانیف

داراشکوہ کی زندگی کا سب سے بڑا سچ اور سب سے بڑی حقیقت اس کی علمیت اور اس کا فضل و کمال ہے۔ داراشکوہ کی سیاسی وفوجی بصیرت چاہے جیسی ہو اور لوگ اس پر چاہے جو تبصرے کریں لیکن ان کی علمی قابلیت، زبان و بیان پر ان کی غیر معمولی قدرت، تصوف وسلوک کا وسیع مطالعہ، ہندو مذہب اور فلسفہ ویدانت کے بارے میں ان کی وسعت معلومات ان کی ایسی خوبیاں ہیں جن کا اعتراف سبھی کرتے ہیں۔ ان خوبیوں کی وجہ سے وہ اپنے عہد میں بھی بے مثال شخصیت کے مالک بن گئے تھے اور آج کئی صدیاں بیت جانے کے باوجود ان کی عظمتیں برقرار ہیں۔ داراشکوہ کی شخصیت کا یہ علمی پہلو علم و دانش کی دنیا میں ان کو ہمیشہ زندہ وجاوید رکھے گا۔

تصوف کی روایت میں بھی داراشکوہ کو پورا درک حاصل تھا اور ہندو مذہب کی روایت ویدانت کا بھی انھوں نے وسیع مطالعہ کیا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کو فارسی زبان میں بھی بڑی غیر معمولی مہارت تھی۔ فارسی زبان میں ان کا قلم ایسا رواں، سلیس اور شگفتہ تھا کہ انھوں نے جو لکھا اس کو قبولیت حاصل ہوئی۔ آج بھی ان کی تحریریں ذوق وشوق سے پڑھی جاتی ہیں۔ حتیٰ کہ موجودہ دور میں ہندو مذہب کے عالمی مطالعے کا ایک سبب یہ ہے کہ انھوں نے اپنشدوں کا ترجمہ نہایت معیاری فارسی میں کیا تھا۔ اس ترجمے کو یوروپ میں زبردست مقبولیت حاصل ہوئی اور اسی سے متأثر ہو کر اہل یوروپ نے سنسکرت زبان اور ہندو دھرم کا مطالعہ شروع کیا۔

داراشکوہ اپنے وقت کے ایک متبحر عالم اور دانشور تھے۔شاہی گھرانوں میں عام طور پر ایسے عالم اور دانشور کم ہوتے ہیں۔خود مغل خاندان میں بھی علمی اعتبار سے بابر کے بعد سب سے بڑا مقام داراشکوہ کا ہے۔ان کے ایک اعلیٰ محقق اور بہترین مصنف ہونے میں کوئی اشکال ہی نہیں ہے۔وہ بلاشبہ بڑے مصنف اور بڑے محقق تھے۔

داراشکوہ ایک اچھے مصنف ہی نہیں بلکہ بہت اچھے محقق بھی تھے۔ان کا طریقہ تحقیق بڑی حدتک معیاری تھا۔ان کے طریقہ تحقیق کو آج کے طریقہ تحقیق سے کم نہیں کہا جا سکتا۔خاص طور پر سکینۃ الاولیا میں ان کا طریقہ تحقیق موجودہ دور کی کسی بھی تحقیق کے معیار سے کم نہیں ہے۔

داراشکوہ نے مختلف موضوعات پر متعدد کتابیں لکھیں اور کچھ ترجمے بھی کیے۔ان کی تصنیفی زندگی کسی شہزادے کی نہیں بلکہ کسی ماہر محقق کی زندگی محسوس ہوتی ہے۔داراشکوہ کی تصنیفات کی ایک خاص بات یہ تھی کہ وہ اپنی بساط بھر پوری تحقیق کرتے تھے۔ان کی موجود تصنیفات کی تعداد ایک درجن سے زیادہ ہے۔

لیکن یہ بات یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ انھوں نے اور بہت سے علمی کام کیے تھے جو ان کی اچانک وفات کی وجہ سے ادھورے رہ گئے اور بعد میں وہ روایت ہی ختم ہوگئی اس لیے ان کے مسودات بھی ضائع ہوگئے۔

داراشکوہ کی تصنیفی زندگی اور ان کی علمی کاوشوں کو عام طور پر دو حصوں یا دو ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ان کی تصنیفات کا ایک دور وہ ہے جو سفینۃ الاولیا کی تصنیف سے لے کر رسالہ حق نما کی تصنیف تک کا ہے اور دوسرا زمانہ رسالہ حق نما کی تصنیف کے بعد یعنی 1647/1056 سے شروع ہو کر آخر عمر تک جاتا ہے۔بعض لوگوں نے ان کے تصنیفی ادوار کو تین حصوں یا تین ادوار میں بھی تقسیم کیا ہے۔لیکن ان کی تصانیف کو تین ادوار میں تقسیم کرنے کی روایت بہت مستند نہیں ہے۔ تاہم راقم الحروف نے اسی کتاب میں ایک دوسرے مقام پر اس کا تذکرہ کیا ہے تاکہ اس پہلو سے تشنگی نہ رہے۔اس لیے اس کی تفصیل یہاں دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

داراشکوہ کے علمی و تصنیفی سفر کے پہلے دور میں ان کے مزاج اور رجحان پر تصوف و سلوک کا غلبہ رہا۔ اس عرصہ میں ان کی ساری تگ و دو مسلم علماء وصوفیہ کے دائرے تک محدود رہی۔ اس دور میں انھوں نے تصوف کی کتابوں کا وسیع مطالعہ کیا اور عملا بھی ایک صوفی کی زندگی گزاری۔ اسی ضمن میں قادریہ سلسلے میں باضابطہ مرید ہوئے اور قادری صوفی سلسلے سے ایسی عقیدت پیدا ہوئی کہ انھوں نے شاعری میں اپنا تخلص ہی قادری رکھ لیا۔ اس دور میں وہ زیادہ تر مسلم صوفیہ کی صحبت میں رہے اور ان کی خدمت میں رہ کر اپنے مسائل حل کرنے کی کوشش کرتے رہے۔

داراشکوہ کی تصانیف کا دوسرا دور 1647/1056 سے شروع ہوتا ہے۔ اس دور میں انھوں نے اپنی فکر اور روحانیت کی تلاش کے دائرے کو مزید وسعت دی اور تصوف کے ساتھ ساتھ ویدانت کو بھی اس میں شامل کر لیا۔ بلکہ ویدانت کے علاوہ عیسائی اور یہودی مذہب میں بھی وہ روحانی اقدار کی تلاش کرنے لگے۔ انھوں نے خود لکھا ہے کہ انھوں نے قرآن مجید کے مطالعہ کے بعد توریت، انجیل اور زبور کا بھی مطالعہ کیا تھا۔ لیکن یہودیت اور عیسائیت کے وسیع مطالعے کا غالبا ان کو زیادہ موقع نہیں مل سکا۔ البتہ ہندو مذہب کا بہت وسیع مطالعہ کیا۔

داراشکوہ نے مذاہب کے مطالعہ آغاز کسی اور وجہ سے کیا تھا لیکن بعد میں ان کے اندر مختلف مذاہب کے درمیان تقابل اور ایک طرح کی ہم آہنگی پیدا کرنے کا رجحان پیدا ہوا۔ داراشکوہ نے عیسائیت کا مطالعہ کیا تھا، ان کے دو مرتبہ چرچ میں جانے کی روایت بھی مشہور ہے، لیکن بظاہر وہ عیسائیت کی روایت سے زیادہ متأثر نہیں تھے، اس لیے کہ انھوں نے اپنی تحریروں میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں کیا ہے۔

داراشکوہ کے بعض عیسائی ملازمین جیسے ایک اطالوی ملازم نکولا منوچی وغیرہ نے اور کچھ اس زمانے کے بعض مبلغ پادریوں نے یہ غلط فہمی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے کہ شہزادہ داراشکوہ عیسائی ہو گئے تھے۔ مشہور مؤرخ پرسی براؤن نے بھی اس بات کا اعادہ کیا ہے کہ وہ عیسائی ہو گئے تھے۔ حالاں کہ داراشکوہ کی متعدد تصانیف ہیں انھوں نے ایک کلمہ خیر بھی

عیسائیت کے لیے نہیں لکھا ہے، کجا یہ کہ وہ اس کو قبول کرتے۔ البتہ وہ ہندو مذہب میں ویدانت کی روایت سے متأثر تھے اور اس روایت کا مطالعہ وہ اس نقطہ نظر سے کرتے تھے کہ اسلام کی روایات اور ویدانت میں کیا کیا مماثلتیں ہیں۔ اس لیے وہ اس کے مطالعے کے ساتھ ساتھ تصوف کی روایت کے ساتھ ان کا موازنہ اور تقابل بھی کرنے لگے۔

جیسا کہ ابھی ذکر ہوا داراشکوہ کی تصنیفات کا بڑا ذخیرہ ضائع ہو گیا۔ چند کتابیں ہی دستیاب ہیں۔ ذیل میں داراشکوہ کے تصنیفی ذوق کی ترتیب کے ساتھ ان کی فہرست دی جارہی ہے۔ یعنی ان کے پہلے اور دوسرے دور کی تصنیفات کی فہرست بالترتیب حسب ذیل ہے:

1.	سفینۃ الاولیاء	2.	سکینۃ الاولیاء
3.	رسالہ حق نما	4.	حسنات العارفین
5.	مجمع البحرین	6.	سراکبر
7.	مکالمہ بابالال بیراگی	8.	.مکالمہ بافتح علی قلندر
9.	دیباچہ مرقع	10	دیوان اشعار
11	طریقۃ الحقیقت	12	رسالۃ المعارف
13	بیاض داراشکوہ	14	مکاتیب
15	مثنوی	16	ترجمۂ جوگ بششٹ

آخری کتاب کے علاوہ باقی تمام کتابیں داراشکوہ کی تصنیفات ہیں۔ آخری کتاب کے مقدمہ کے بارے میں محققین کی رائے ہے کہ وہ داراشکوہ کا لکھا ہوا ہے اس لیے اس کو یہاں ذکر کیا ہے۔ ان کتابوں کا مختصر تعارف اور ان کے اجمالی کوائف ذیل کی عبارت میں پیش کیے جارہے ہیں۔

سفینۃ الاولیاء:

سفینۃ الاولیا داراشکوہ کی سب سے پہلی تصنیف ہے۔ یہ کتاب انھوں نے 1639

میں مکمل کی تھی۔اس وقت داراشکوہ کی عمر 25 سال تھی۔ یہ کتاب صوفیہ کرام کے تذکرے کے لیے مختص ہے۔یعنی اس کتاب میں اختصار کے ساتھ قدیم صوفیہ اوراصحاب سلوک کے احوال زندگی اوران کی خدمات بیان کی گئی ہیں۔

لیکن جیسا کہ اسی کتاب میں ایک دوسرے مقام پراس کی وضاحت کی گئی ہے کہ راقم الحروف کی نظر میں یہ کتاب ایک سوانحی تصنیف سے زیادہ خود داراشکوہ کے لیے تلاش ذات کا سفر ہے۔داراشکوہ نے اس کتاب میں تاریخ اسلامی کی نمایاں شخصیات کے حوالے سے اپنے لیے روحانی سفر کی منازل تلاش کرنے کی سعی کی ہےاوراپنے لیےاسوہ اورنمونہ تلاش کرنے کی جدوجہد کی ہے۔

سفینۃ الاولیاء میں انھوں نے تقریبا400 مشائخ کے احوال زندگی جمع کیے ہیں۔ مصنف کا طریقہ تصنیف یہ ہے کہ مستند حوالوں سے ہر شخصیت کی ولادت سے وفات تک کے احوال کوجمع کرتے ہیں پھرتصوف کے حوالے سے ان کی اہمیت واضح کرتے ہیں۔ان کا حوالہ دینے کا طرز پرانا ہے۔یعنی عام طور پر کتاب کا نام یا مصنف کا نام ذکر کرتے ہیں۔ چوں کہ اس زمانے میں کتاب چھپتی نہیں تھیں اس لیے حوالہ دینے کے لیے یہی طریقہ سب جگہ رائج تھا۔

داراشکوہ نے جو حوالے دیے ہیں وہ عام طور پر معروف کتابوں کے ہیں اوران کا تاریخی شعور بھی بہت پختہ ہے۔اس لیے وہ احوال و واقعات نیز پیدائش و وفات میں تاریخ اورسنین کا تذکرہ بڑے اہتمام سے کرتے ہیں۔

سفینۃ الاولیاء معروف معنوں میں صرف صوفیہ کا تذکرہ نہیں ہے۔ بلکہ اصلاً یہ کتاب تاریخ اسلامی کی تمام عظیم روحانی شخصیات کا تذکرہ ہے۔اس لیے کہ داراشکوہ نے اس کتاب کی تصنیف کورسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ سے شروع کیا ہے۔اس کتاب میں سب سے پہلے اختصار کے ساتھ سیرت کے واقعات بیان کیے گئے ہیں، پھر خلفائے راشدین، بعض صحابہ، امہات الامہ اور بنات الرسول، ائمہ اہل بیت اور فقہ کے اماموں وغیرہ کے احوال کا بھی بیان ہے۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کتاب کی تصنیف سے

داراشکوہ کا مقصد صرف تصوف کا تذکرہ لکھنا نہیں تھا بلکہ اصل مقصد تو روحانی عظمت حاصل کرنے کے لیے اسوہ اور نمونہ کی تلاش تھی۔ جو صرف صوفیہ تک محدود نہیں ہے۔ یعنی سفینۃ الاولیا تلاش ذات کی ایک کوشش ہے۔

داراشکوہ نے اس کتاب میں اپنے طریقۂ تصنیف اور اپنے موضوع کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے اس کے مقدمہ میں لکھا ہے:

> ''میں نے معتبر کتابوں سے بڑی چھان پھٹک اور تحقیق وجستجو کے بعد وہ حالات و واقعات یکجا کیے ہیں جو سید الکونین اوران خلفائے راشدین سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسلام میں ان کی حیثیت ارکان اسلام کی ہے۔ ان سے مہر ومحبت اور بغض وعداوت خدا سے دوستی اور دشمنی کے مترادف ہے۔ ان کے بعد بارہ اماموں کے حالات بھی جمع کیے ہیں چوں کہ علوم سید المرسلین کے صحیح معنوں میں یہی وارث ہیں۔ ائمہ اربعہ جنہیں قدرت میں ہزار ہا نفوس کی پیشوائی کے منصب پر فائز کیا ہے اور وہ حضرات اولیاء کرام جن کے حق میں ''*علماء امتی کا انبیاء بنی اسرائیل*'' کی حدیث وارد ہوئی ہے وہ ظاہری اور باطنی علوم میں سرچشمہ فیضان رسالت ہیں۔ میں نے اس کتاب میں ان کے حالات بھی مرتب کیے ہیں۔''(1)

سفینۃ الاولیاء میں چوں کہ زیادہ تر حالات انھی لوگوں کے جمع کیے ہیں جن کو معروف صوفیہ کہا جاتا ہے۔ اس لیے انھوں نے تذکرہ لکھنے میں صوفیہ کے سلاسل کو ہی معیار بنایا ہے۔ جیسے قادری، چشتی، نقشبندی اور سہروردی سلاسل وغیرہ۔ انھوں نے ہر صوفی کا تذکرہ اس کے سلسلہ کے اندر کیا ہے اور وہ شخصیات جن کے بارے میں ان کو یقین سے معلوم نہیں ہو سکا کہ ان کا سلسلہ کیا ہے، ان کو متفرقات کے عنوان کے تحت یکجا کر دیا ہے اور مقدمہ میں اس بات کی وضاحت کر دی ہے۔

سفینۃ الاولیاء بلاشبہ بہت معیاری کتاب ہے اور اس کی پائیدار اہمیت ہے۔ اس کو داراشکوہ کے عہد سے آج تک ہمیشہ بڑی مقبولیت حاصل رہی۔ آگرہ، لکھنؤ، دہلی، کانپور اور ایران سے اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہوئے۔ متعدد زبانوں میں اس کے ترجمے بھی ہو

چکے ہیں اور بہت سے لوگوں نے اس کتاب کا تعارف بھی کرایا ہے۔ یہ اس کتاب کے مقبول ہونے کی دلیل ہے۔

سکینۃ الاولیاء:

سکینۃ الاولیاء تصنیفی اعتبار سے داراشکوہ کی دوسری تصنیف ہے۔ یہ کتاب انھوں نے 1642 میں لکھنی شروع کی اور 1648 میں اس کی تکمیل ہوئی۔ یہ کتاب حضرت میاں میر علیہ الرحمہ کی سوانح عمری ہے۔ داراشکوہ نے اس کتاب میں حضرت میاں میر قادریؒ کے احوال زندگی اوران کی خدمات کا تفصیل سے تعارف کرایا ہے۔ حضرت میاں میرؒ کے ساتھ ساتھ اس کتاب میں حضرت کے خلفاء و مریدین کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے۔ داراشکوہ کو حضرت میاں میر سے بڑی عقیدت تھی لیکن وہ ان کے باضابطہ مرید نہیں ہو سکے تھے۔ داراشکوہ کے باضابطہ پیر حضرت میاں میر کے خلیفہ ملا شاہ بدخشی تھے۔ اس کتاب میں ان کے بھی تفصیلی حالات بیان کیے گئے ہیں۔

سکینۃ الاولیاء بڑی معیاری کتاب ہے۔ اس کتاب میں ان کا طریقہ تصنیف بڑا منفرد ہے۔ داراشکوہ کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے حضرت میاں میرؒ سے وابستہ شخصیات سے مل کراوران سے دریافت کر کے بڑی محنت اور تحقیق سے ان کے حالات جمع کیے ہیں۔ پوری کتاب ان کی محنت اور ذوق تحقیق کی اعلی مثال ہے۔ یہ کتاب آج کے دور میں رائج طریق تصنیف اور طریقہ تحقیق سے پوری طرح ہم آہنگ ہے۔

راقم الحروف کی اِس کتاب میں حضرت میاں میرؒ کے حوالے سے ایک تفصیلی مضمون شامل ہے۔ اس مضمون میں اس کتاب کا بھی تفصیلی تعارف آ گیا ہے۔ اس لیے اس مقام پر اس کا تفصیلی تعارف کرانے کی ضرورت نہیں۔

رسالہ حق نما:

رسالہ حق نما بھی داراشکوہ کی اہم کتاب ہے۔ اس کتاب میں داراشکوہ نے سفر سلوک اور روحانی منازل کے گہرے حقائق بیان کیے ہیں۔ سالک اپنے سفر سلوک میں

جن عالَموں اورجن جہانوں سے گزرتا ہے۔ جیسے عالم لاہوت، عالم ناسوت اور عالم جبروت وغیرہ،اس میں ان جہانوں کا بیان ہے۔ یہ کتاب اپنے حجم کے اعتبار سے ایک چھوٹا سارسالہ ہے لیکن اس میں ایک پورا جہان معنی پوشیدہ ہے۔تصوف خاص طور پر وجودی تصوف کے مہمات مسائل اس میں بیان کیے گئے ہیں۔

داراشکوہ نے شروع میں اس رسالے کے اندر چار فصلیں لکھی تھیں جیسا کہ انھوں نے اس رسالے کے مقدمے میں خود بھی لکھا ہے۔ لیکن اب اس رسالے کے جتنے بھی نسخے دستیاب ہیں ان سب کے اندر چھ فصلیں ہیں۔ غالبًا بعد میں انھوں نے اس کے اندر دو فصلوں کا اضافہ کیا تھا۔جس کا تذکرہ وہ مقدمے میں کرنا بھول گئے یا پھر ان کو اس کا موقع نہیں ملا۔

رسالہ حق نما کی شروع کی چار فصلیں سفر سلوک اور عالم روحانیت کے چار جہانوں یا چار عالَموں کے تعارف پر ہیں۔ یعنی عالم ناسوت، عالم ملکوت، عالم جبروت اور عالم لاہوت۔ اہل طریقت جانتے ہیں کہ یہ چار جہان یا چار عالم جن کو عوالم اربعہ بھی کہا جاتا ہے راہ سلوک کی اہم منازل ہیں اور ان عوالم اربعہ کی شناخت اور ان کے درمیان سفر پر ہی راہ طریقت کا انحصار ہے۔ اس لیے یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ رسالہ داراشکوہ نے اس وقت لکھا تھا جب وہ سلوک وتصوف اور معرفت ذات اور معرفت نفس کی روحانی منازل طے کر چکے تھے۔ گویا انھوں نے جو لکھا وہ اپنے تجربات کی روشنی میں لکھا۔

حسنات العارفین:

داراشکوہ کی تصانیف میں حسنات العارفین بھی ایک اہم ترین کتاب ہے۔ اس کتاب میں انھوں نے تاریخ تصوف کے ایک نہایت منفرد اور پیچیدہ موضوع یعنی شطحات کو اپنا موضوع بنایا ہے۔ شطحات کا مطلب ہوتا ہے وہ الفاظ جو سالک وجد کے عالم میں اپنی زبان سے ادا کرتا ہے اور ان میں ایک طرح کی خودسری اور تعلی کا شائبہ ہوتا ہے۔ ساتھ ہی ان میں یک گونہ گستاخانہ انداز بھی ہوتا ہے۔ جیسے منصور حلاج کا انا الحق کہنا اسی طرح بایزید بسطامیؒ کا یہ کہنا کہ میرے گھر میں سوائے خدا کے کوئی نہیں ہے یا میرے جبے میں سوائے

خدا کے کوئی نہیں ہے وغیرہ کلمات صوفیہ کے شطحات کہلاتے ہیں۔

راہِ سلوک میں، جیسا کہ صوفیہ کہتے ہیں ایک منزل ایسی آتی ہے جہاں سالکین اپنے اوپر قابو کھو دیتے ہیں، زبان بھی ان کے قبضہ سے نکل جاتی ہے اور ان کی زبان پر ایسے الفاظ جاری ہونے لگتے ہیں جو سالک کے لیے تو واردات ہوتی ہیں لیکن عام لوگوں کے لیے اس کے مفاہیم قابل اعتراض ہو جاتے ہیں۔

داراشکوہ پر بھی راہ سلوک میں شطحات کا صدور ہونے لگا اور غلبہ حال کے زیر اثر ان کی زبان سے بے ساختہ شطحیہ الفاظ نکلنے لگے۔اس پر لوگوں نے اعتراض کیا تو انھوں نے ان اعتراضات کا جواب دینے لیے اور شطحات کی حقیقت اور صوفیہ کے نزدیک شطحات کی حیثیت اور حقیقت بتانے کے لیے یہ کتاب لکھی۔انھوں نے اس کتاب کے مقدمہ میں خود لکھا ہے:

> ''اِن ایام میں یعنی سنہ 1062ھ میں جب میری عمر 38 سال کی ہو گئی تھی یہ فقیر اہل تصوف اور سلوک کی کتابوں سے آزردہ تھا اور میری نگاہوں میں توحید خالص کے علاوہ کوئی تصور ہی نہیں تھا۔اس حالت میں بعض اوقات وجد کی کیفیت میں یا ذوق وشوق میں بعض بلند حقائق اور اعلی معارف زبان سے نکل جاتے تھے۔لیکن کم حوصلہ، ظاہر پرست اور بے حلاوت وخشک مزاج زاہد اپنی کم نگاہی سے ان الفاظ پر نقد وجرح کرتے اور کفر کے فتوی لگاتے۔اس وجہ سے اس فقیر کے دل میں آیا کہ عظیم موحد اور عارف باللہ بزرگ جو اس مخلوق میں سب سے افضل ہیں اور سب سے زیادہ راست باز ہیں ان کے بھی ایسے بلند کلمات ہیں جن کو شطح کہا جاتا ہے۔یہ کلمات صوفیہ کی کتابوں میں منتشر ہیں ان کو جمع کیا جائے تا کہ وہ ایک مضبوط دلیل بنیں۔''(2)

صوفیہ کے ان شطحات کے بارے میں صوفیہ کرام اور علماء کا بھی ایک موقف یہ رہا ہے کہ صوفیہ کے شطحیہ کلمات کی یا تو تاویل کی جائے گی یا پھر ان الفاظ کے کہنے والے کو غلبہ حال کی وجہ سے معذور سمجھا جائے گا۔یعنی ان الفاظ پر ان کی گرفت نہیں ہوگی۔اس لیے کہ صوفیہ یہ الفاظ اپنے ہوش وحواس میں نہیں بولتے بلکہ جب ان کے اوپر احوال وواردات کا

غلبہ ہوتا ہے تو ان کی زبان سے ایسے الفاظ بے اختیار نکلتے ہیں، خود ان کو بھی ایسے الفاظ کا ہوش ہی نہیں رہتا۔

صوفیاء کرام اس کی مثال یوں بھی دیتے ہیں کہ جیسے لوہا آگ میں تپ کر لال ہو جائے اور اس کے رنگ میں اور آگ کے رنگ میں کوئی فرق نہ رہے اس وقت اگر اس لوہے کو زبان مل جائے اور کہے کہ میں آگ ہوں تو اس وقت اس کا یہ کہنا صحیح ہوگا۔ اسی طرح صوفیہ کے اوپر جب خاص کیفیت طاری ہوتی ہے تو ان کی زبان سے ایسے الفاظ صادر ہوتے ہیں جو شریعت میں قابل گرفت ہیں۔ لیکن ان کے بارے میں تمام علما و صوفیہ کا موقف رہا ہے کہ ان الفاظ کے لیے ان حضرات کو معذور سمجھا جائے گا۔ ان الفاظ پر ان کی گرفت نہیں ہوگی۔

دارا شکوہ نے حسنات العارفین شطحات کے موضوع پر لکھی ہے اور اس کتاب میں انھوں نے چند بڑے صوفیہ کرام کے شطحات نقل کیے ہیں اور ان میں سے بعض جملوں کی تشریح و تاویل بھی کی ہے۔ جس سے اندازہ ہو سکے کہ صوفیہ کے ان الفاظ کو کس طرح محمل حسن پر اتارا جا سکتا ہے۔

حسنات العارفین کی ایک امتیازی خوبی یہ ہے اس کتاب میں انھوں نے تاریخ اسلامی کے بڑے صوفیہ کے ساتھ ساتھ ہندوستان کے کچھ عالموں اور ہندو مذہب کے یوگیوں کے شطحات کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس کتاب کی یہ اہمیت اس کو شطحات پر لکھی جانے والی کتابوں میں ایک منفرد مقام عطا کرتی ہے کہ اس میں انھوں نے مسلم صوفیہ کے ساتھ ہندو سنیاسیوں اور یوگیوں کے اس طرح کے کلمات کا بھی ذکر کیا ہے۔ ہندوستانی روایت میں صاحب جذب یوگیوں کو پرم ہنس کہتے ہیں، حسنات العارفین میں ہندوستانی یوگیوں یا پرم ہنس سنیاسیوں کے بھی کچھ شطحات ذکر کیے ہیں۔ (3)

مجمع البحرین:

حالاں کہ رسالہ حق نما کے بعد دارا شکوہ کی تصنیفات کا دوسرا دور شروع ہو چکا تھا۔ یعنی وہ دیگر مذاہب کی روایات سے بھی اخذ و استفادہ کرنے لگے تھے۔ لیکن ان کی اس

فکر میں پختگی کا آغاز مجمع البحرین سے ہوتا ہے۔اس سے قبل وہ اسلامی تصوف کی روایت سے اچھی طرح واقف ہو چکے تھے۔اس کے بعد انھوں نے ویدانت کا مطالعہ کیا تو ان کو محسوس ہوا کہ تصوف کی اس روایت میں اور ویدانت کی روایت میں فرق زیادہ نہیں ہے۔ بلکہ اصل فرق صرف اصطلاحات اور الفاظ کا ہے۔ یہ الفاظ جن حقائق کو بیان کرتے ہیں وہ ایک ہی جیسے ہیں۔اس لیے اگر الفاظ کا حجاب درمیان میں نہ ہوتو تصوف اور ویدانت کی روایت گویا ایک طرح کا مجمع البحرین ہے۔یعنی تصوف اور ویدانت دو ایسے دریا ہیں جو ساتھ ساتھ بہتے ہیں۔ یہ ایک دوسرے کے خلاف بھی نہیں ایک دوسرے کے مغائر بھی نہیں ہیں بلکہ ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہیں۔(4)

داراشکوہ نے اپنے یہ نظریات سب سے پہلے شاہی گھرانے کے افراد کے سامنے رکھے تھے۔غالبا ان کی خواہش تھی کہ شاہی دربار کے کچھ طاقت ور امراء ان کے ساتھ ہو جائیں تو وہ ان افکار کی اشاعت زیادہ آسانی سے کر سکیں گے۔ دربار میں بہت سے لوگوں نے ان کا ساتھ دیا۔لیکن کچھ لوگوں نے ان پر اعتراضات بھی کیے۔داراشکوہ نے یہ کتاب ان اعتراضات کے جواب کے لیے لکھی تھی۔اسی لیے اس کتاب کا نام مجمع البحرین رکھا تھا۔چوں کہ اس کے مخاطب صرف شاہی گھرانے کے لوگ تھے اس لیے یہ کتاب بہت مختصر اور جامع ہے اس میں متعدد حقائق کو صرف اشاروں میں بیان کیا گیا ہے۔اس کتاب میں داراشکوہ نے جن حقائق کو واشگاف کیا ہے ان پر راقم الحروف کی اس کتاب میں ایک مستقل مضمون شامل ہے۔اس میں اس کتاب کا بھی تفصیلی تعارف کرایا گیا ہے۔اس لیے یہاں اس کی تفصیل بیان نہیں کی گئی۔

سِرّ اکبر:

سر اکبر داراشکوہ کی بہت مشہور کتاب ہے۔سر اکبر کا دوسرا نام سر الاسرار بھی ہے۔ پہلے نام کا مطلب ہے سب سے بڑا راز، اور دوسرے نام کا مطلب ہے رازوں کا راز۔ دونوں ناموں کا اصل مفہوم ایک ہی ہے یعنی گہرا راز۔

سرا کبر دارا شکوہ کی طبع زاد تصنیف نہیں ہے بلکہ یہ سنسکرت کی مشہور کتابوں یعنی اپنشدوں کا ترجمہ ہے۔ دارا شکوہ نے اس کتاب کا ترجمہ کرنے کے لیے سنسکرت زبان سیکھی اور اس میں مہارت حاصل کی۔ اس کے بعد انھوں نے یہ ترجمہ کیا پھر بھی احتیاط کے طور پر انھوں نے بنارس سے کئی ہندو عالموں کو بلا کر اپنے پاس رکھا اور ان کی مدد سے 52 اپنشدوں کا فارسی ترجمہ کیا۔

اپنشدوں کا یہ ترجمہ دارا شکوہ کی ایک اور خوبی کو آشکار کرتا ہے۔ اس کتاب میں ان کی ترجمہ کرنے کی صلاحیت ابھر کر سامنے آتی ہے۔ انھوں نے اتنا خوب صورت اور سلیس ترجمہ کیا ہے کہ اس ترجمے پر اصل عبارت کا گمان ہوتا ہے۔ یہ ترجمہ بہت مقبول ہوا۔ بعد میں اسی ترجمے کے ذریعے اپنشدوں کا فہم پوری دنیا میں عام ہوا۔ یوروپ میں بھی ہندو دھرم اور اپنشدوں کا تعارف اسی کتاب کے ذریعے ہوا۔ اسی کے بعد بڑی تعداد میں یوروپ خاص طور جرمنی کے مستشرقین ہندوستان آئے اور انھوں نے ہندو مذہب اور سنسکرت زبان پر اپنی تحقیقات پیش کیں۔

سرا کبر کے تعارف پر راقم الحروف کی اس کتاب میں ایک مفصل مقالہ شامل ہے۔ اس مقالے میں سرا کبر کا بھی تفصیلی تعارف کرایا گیا ہے اور اس کتاب کے حوالے سے دارا شکوہ کی ان خدمات کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے جو انھوں نے ہندستانی مذاہب کے مطالعے میدان میں انجام دی ہیں۔ اس لیے یہاں سرا کبر کا تفصیلی تعارف نہیں کرایا گیا ہے۔

مکالمہ بابالال بیراگی:

یہ کتاب مکالمہ بابا لال بیراگی یا مخزن النکات یا نادر النکات کے نام سے بھی معروف ہے۔ یہ دارا شکوہ اور بابالال بیراگی کا مکالمہ ہے۔(5) بابا لال بیراگی شمالی ہند کے ایک مشہور سادھو سنت تھے۔ ان کے اصل وطن کے بارے یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ عام طور مؤرخین کی رائے ہے کہ وہ شمالی ہند کے ہی رہنے والے تھے۔ دارا شکوہ کی ان سے پرانی ملاقات تھی۔ پہلے آگرہ میں ہی ملاقات ہوئی تھی۔ دارا شکوہ ایک مرتبہ

لاہور میں تھے تو ان کو معلوم ہوا کہ بابالال بھی لاہور کے قریب کٹیا بنا کر فروکش ہیں۔ داراشکوہ ان دنوں ویسے بھی مختلف مذاہب کا مطالعہ کرر ہے تھے اس لیے وہ ان کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے۔ان کی کٹیا میں داراشکوہ نے تین دن قیام کیا۔اپنے قیام کے دوران ان سے راہ سلوک کے مشکل مقامات کو سمجھنے کی کوشش کی۔ راہ سلوک کے بارے میں ان سے بہت سے سوالات کیے جن کے بابالال نے تشفی بخش جوابات دیے۔تین دن کے بعد داراشکوہ واپس لاہور آ گئے۔

داراشکوہ کو بابالال کی شخصیت میں اس مرد کامل کی خوبیاں نظر آئیں تھیں جن کی ان کو تلاش تھی۔اس لیے کچھ ہی دن کے بعد دوبارہ ان کی خدمت میں گئے اور راہ سلوک کی مشکلات سے متعلق مزید سوالات ان کی خدمت میں پیش کیے۔بابالال نے نہایت اختصار کے ساتھ سب کے جوابات دیے۔داراشکوہ کے ان دونوں سفروں میں ان کے ہمراہ چندر بھان برہمن بھی گئے تھے۔داراشکوہ نے ان کو حکم دیا تھا کہ وہ سوالات اور جوابات کو لکھتے رہیں۔چناں چہ وہ داراشکوہ کے سوالات اور بابالال کے جوابات کو نقل کرتے رہے۔بعد میں داراشکوہ نے ان پر نظر ثانی کر کے اس کو ایک کتاب بنا دیا۔ یہ کتاب اب مختلف ناموں سے دستیاب ہے۔لیکن لفظ مکالمہ سب میں شامل ہے۔اس کتاب کے تعارف پر بھی اس کتاب میں ایک تفصیلی مقالہ موجود ہے۔اس لیے یہاں اس کی تفصیل سے اعراض کیا گیا ہے۔

مکالمہ با فتح علی قلندرؒ:

داراشکوہ کی تصنیفات میں ایک کتاب مکالمہ فتح علی قلندرؒ کا نام بھی ملتا ہے۔اس کا تذکرہ ڈاکٹر تارا چند اور پروفیسر امیر حسن عابدی نے جوگ بشسٹ کے مقدمہ میں کیا ہے۔(6)اسی مقدمے میں اس کتابچے کو مکمل شائع بھی کیا ہے۔اس رسالے کا ایک مخطوطہ کتب خانہ میر ضامن علی،شاہ گنج،آگرہ میں موجود ہے۔یہ رسالہ چند صفحات کا ہے۔اس کا ابھی تک اردو ترجمہ نہیں ہوا تھا اس لیے اس کا فارسی متن اور اس کا اردو ترجمہ اس کتاب کے

آخر میں شامل کیا گیا ہے۔

دیباچہ مرقع:

شہزادہ داراشکوہ نے خطاطی اور مصوری کے نادر نمونوں پر مشتمل ایک مرقع تیار کیا تھا۔ یہ مرقع داراشکوہ نے اپنی بیوی نادرہ بیگم کے لیے مرتب کیا تھا۔ یہ مجموعہ انڈیا آفس لائبریری میں محفوظ ہے۔ پرسی براؤن (Percy Brown) نے اس کا تعارف بھی کرایا ہے۔ ان کے مطابق اس مرقع میں 40 تصاویر ہیں۔ یہ آرٹ کا غیر معمول کارنامہ ہے اور اتفاق یہ ہے کہ زمانے کے صدمات برداشت کرتے ہوئے یہ مرقع آج بھی موجود ہے۔ پروفیسر محفوظ الحق کے بقول اس نسخہ کے لیے داراشکوہ نے ایک دیباچہ لکھا تھا جو پیرس میں موجود ہے۔(7) ڈاکٹر سید عبداللہ چغتائی نے اس دیباچے کی عبارت بھی اپنے ایک مضمون میں نقل کی ہے اور اس مرقع کی فہرست بھی اپنے مضمون میں شامل کی ہے۔ مولوی محمد شفیع نے اس کا جامع تعارف بھی کرایا ہے۔

دیباچہ مرقع سب سے پہلے عبداللہ چغتائی نے مئی 1937 کے اورینٹل کالج میگزین لاہور میں شائع کیا تھا۔ یہ نسخہ غلطیوں سے مبرا نہیں ہے۔ اصل نسخہ پیرس میں ہے کہیں اور اس کی اشاعت کی خبر نہیں۔ اس کی اغلاط کی وجہ سے اس کا ترجمہ نہیں کیا گیا ورنہ یہ اس قابل ہے اس کا اردو اور انگریزی ترجمہ ہونا چاہیے۔ بہرحال اس کا ایک مختصر تعارف اس کتاب میں الگ سے شامل ہے۔

دیوان اشعار:

داراشکوہ بہت اچھے شاعر بھی تھے۔ شاعری میں قادری ان کا تخلص تھا۔ ان کے کلام کا ایک مجموعہ مطبوعہ شکل میں موجود ہے۔ ان کا کلام زیادہ تر عارفانہ ہے، ان کی شاعری میں تغزل بہت کم ہے، زیادہ تر عرفان وحقائق کے معانی ومعارف اور سلوک وتصوف کے رموز واسرار بیان کیے گئے ہیں۔

داراشکوہ کے بارے میں مؤرخین نے لکھا ہے اس کا دیوان مختصر ہے۔ لیکن اختصار کے باوجود اس میں ایک ہزار سے زیادہ غزلیں ہیں۔ ایک شعر میں خود داراشکوہ نے اس دیوان کے بارے میں لکھا ہے کہ انھوں نے ایک ہزار سے زیادہ غزلیں لکھی ہیں:

ہزار و بست غزل گفت قادری در عشق
مگر چہ سود کسی متنبہ نمی گردد

یعنی میں نے اس دیوان میں ایک ہزار بیس غزلیں عشق کے موضوع پر لکھیں ہیں، لیکن کیا فائدہ کیوں کہ کسی پر ان کا اثر ہی نہیں ہوتا۔ اس شعر میں عشق سے مراد ظاہر ہے، راہ سلوک ہی ہے ورنہ غزلیہ شاعری تو انھوں نے کی ہی نہیں۔

داراشکوہ کے کلام میں غزل کے علاوہ رباعی اور مثنویاں بھی ہیں۔ تاہم پورا کلام صوفیانہ رنگ میں ڈوبا ہوا ہے۔

تصوف وسلوک کے رموز کے علاوہ داراشکوہ نے اپنے پیروں کی مدح بھی کی ہے۔ حضرت میاں میر قادری کی تعریف میں بھی ایک مثنوی ہے۔ اس کے علاوہ ہندوستان کے بعض مقامات کی تعریف میں بھی مثنویاں ہیں۔ مثلاً پنجاب اور لاہور کی تعریف میں انھوں نے متعدد اشعار کہے ہیں۔ ایک شعر ہے:

بود آباد دائم شہر لاہور
وبا و قحط ازیں جا دور دارد

یعنی شہر لاہور ہمیشہ آباد رہے اور اللہ تعالی وبا اور قحط کو اس شہر سے ہمیشہ دور رکھے۔

داراشکوہ بلا شبہ بہت اچھے شاعر تھے۔ لیکن ان کے کلام میں ہمیشہ اعلی معارف و حقائق کو ہی جگہ ملی۔ اس لیے ان کی پوری شاعری تصوف کی کتاب معلوم ہوتی ہے۔ چوں کہ انھوں نے اپنی شاعری میں راہ سلوک کے معارف ہی بیان کیے ہیں۔ اس لیے ان کی شاعری میں ایسے بہت سے مقامات ہیں جہاں بات کرتے ہوئے قلم کے قدم لرز جاتے ہیں، زبان کو یارائے گویائی نہیں رہتا۔ ان باتوں کی کوئی معقول توجیہ کہیں ہو جاتی ہے اور

کہیں ایسے بھی مقامات آجاتے ہیں جن کو کسی تاویل کے ذریعے محمل حسن پر اتارنا ممکن نہیں رہتا۔یعنی کہیں کہیں بالکل کھلے الفاظ ایسے مضامین باندھے گئے ہیں جو مذہب کے نقطہ نظر سے کسی طرح بھی جواز کے دائرے میں نہیں آتے۔

لیکن ان کا دیوان موجود ہے۔اس کے مطبوعہ نسخے میں 224 صفحات ہیں۔بعض مقامات پر تو قابل اشکال مقامات سے صرف نظر بھی کیا جا سکتا ہے اس لیے کہ شاعری میں اظہار بیان کی محدودیت بھی ہوتی ہے، معلوم نہیں وہ کیا کہنا چاہتے تھے اور الفاظ کی قبائے تنگ نے ان کی بات کو کیا بنا دیا۔لیکن بعض مقامات تاویل کی تہمت کے محتاج نہیں ہیں وہاں واضح طور پر وحدۃ الوجودی تصورات بیان کیے گئے ہیں۔

طریقۃ الحقیقت:

داراشکوہ کی ایک کتاب طریقۃ الحقیقت بھی ہے۔اس کتاب کا حوالہ کئی تذکرہ نگاروں نے دیا ہے۔اس کتاب میں داراشکوہ نے تصوف کے بعض مسائل کی وضاحت کی ہے۔راقم الحروف کو یہ کتاب دستیاب نہیں ہوسکی۔بکرماجیت حسرت نے اس کتاب کا تفصیلی تعارف کرایا ہے۔ان کے مطابق اس کتاب میں تصوف کی منازل کا بیان ہے، گویا یہ مقامات تصوف کی کتاب ہے۔داراشکوہ نے اس میں اختصار کے ساتھ راہ سلوک کی تیس منازل کا بیان کیا ہے۔(8)

رسالۃ المعارف

پروفیسر محفوظ الحق نے رسالۃ المعارف کے نام سے داراشکوہ کی ایک کتاب کا تذکرہ کیا ہے۔انھوں نے یہ نام خزینۃ الاصفیا کے حوالے سے لکھا ہے۔اس کا موضوع بھی تصوف ہے لیکن یہ نسخہ کہیں دستیاب نہیں ہے۔

بیاض داراشکوہ:

داراشکوہ کی ایک کتاب بیاض کے نام سے موسوم ہے یعنی یہ ان کی کوئی باضابطہ

کتاب نہیں ہے بلکہ یا تو کوئی ادھوری کتاب ہے یا پھر ان کی ڈائری ہے اس لیے اس کا تذکرہ بیاض کے نام سے کیا گیا ہے۔اس کتاب کا تذکرہ جوگ بشسٹ کے مقدمہ میں ڈاکٹر تاراچند اور پروفیسر امیر حسن عابدی نے کیا ہے۔

مکاتیب:

جوگ بشسٹ کے مقدمہ میں محققین نے داراشکوہ کے ایک مجموعہ مکاتیب کا بھی ذکر کیا ہے۔اس کی بھی کوئی مزید تفصیل دستیاب نہ ہوسکی۔

مثنوی:

جوگ بشسٹ کے مقدمہ میں ہی ایک مثنوی کا بھی ذکر ہے۔لیکن اس کی کوئی تفصیل نہیں دی ہے۔

جوگ بشسٹ:

جوگ بشسٹ سنسکرت کی بہت مشہور کتاب ہے۔جس کا ترجمہ داراشکوہ نے نہیں کیا تھا بلکہ ان کے حکم سے اور ان کی نگرانی میں ہوا تھا۔مترجم کا نام معلوم نہیں لیکن یہ بات یقینی ہے یہ ترجمہ داراشکوہ نے نہیں کیا تھا بلکہ کسی اور نے یہ ترجمہ کیا تھا۔البتہ اس کے مقدمہ میں یہ بات واضح طور پر لکھی ہے کہ داراشکوہ نے خود اس کے ترجمے کا حکم دیا تھا اور یہ بھی کہا تھا کہ اس کتاب کے ترجمے اگرچہ موجود ہیں لیکن وہ ترجمے قابل اطمینان نہیں ہیں اس لیے اس کا پھر سے ترجمہ ہونا چاہیے۔اس کتاب کے مقدمہ میں اس کے ترجمے متعلق داراشکوہ کا ایک خواب بھی نقل کیا ہے۔

تاریخ شمشیر خانی

یہ شاہ نامہ کی تلخیص ہے جو دارا شکوہ کے حکم سے ان کے کسی متوسل نے کی تھی۔(9)

داراشکوہ کی طرف منسوب دیگر کتب

مذکورہ بالا فہرست کے علاوہ بھی تذکرہ نگاروں نے داراشکوہ کی طرف کچھ اور کتابیں بھی منسوب کی ہیں۔جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ داراشکوہ کے علمی کاموں کی محفل ان کی وفات کے بعد اجڑ گئی تھی اس لیے یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ ان میں کتنی کتابیں واقعتاً انہی کی کاوش کا حصہ رہی ہیں۔

اوپر مذکور فہرست میں جن کتابوں کا تذکرہ ہے ان کے بارے میں تو یقین ہے کہ یہ سب داراشکوہ کی تصانیف ہیں اور ان میں چند کے علاوہ باقی شائع شدہ ہیں اور ان میں سے اکثر کے مختلف زبانوں میں ترجمے بھی ہو چکے ہیں۔

مذکوہ بالا کتابوں کے علاوہ ڈاکٹر تارا چند اور پروفیسر امیر حسن عابدی نے حسب ذیل کتابوں کا اور تذکرہ کیا ہے جو کہیں نہ کہیں داراشکوہ سے منسوب ہیں۔

1۔ بھگوت گیتا

2۔ تزک

3۔ رسالہ معارف

4۔ رموز تصوف

ان کتابوں کے علاوہ حسب ذیل کتابوں کی کتابت امکانی طور پر داراشکوہ کے ہاتھ سے ہوئی ہے:

1۔ قرآن مجید

2۔ پنج سورہ

3۔ سفینۃ الاولیا

4۔ رسالہ حکمت ارسطو

5۔ دہ پند ارسطو

6۔ شرح دیوان حافظ از سیف الدین ابوالحسن عبدالرحمٰن

7۔ بارہ وصلیاں، نہایت خوب صورت اور منقش

(یہ تمام معلومات جوگ بشست (جوگ بشسٹ) کے مقدمہ سے ماخوذ ہیں جس کو ڈاکٹر تارا چند اور پروفیسر امیر حسن عابدی نے ایڈٹ کیا ہے اور جو علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی سے 1968 میں شائع ہوا۔)

داراشکوہ نے اپنے دربار میں اہل علم سرپرستی بھی کی اور ان کے زیر سرپرستی بہت سے لوگوں نے کتابیں بھی لکھیں تھیں۔ حسب ذیل کتابوں کے بارے میں معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی داراشکوہ کی سرپرستی میں ہی لکھی گئیں تھیں:

۱۔قصص الانبیاء

یہ کتاب داراشکوہ نے کسی سے لکھوائی تھی۔(10)

۲۔طب داراشکوہی

نورالدین محمد بن عبداللہ بن عین الملک نے ۱۰۵۶ میں طب کے موضوع پر ایک ضخیم کتاب لکھی تھی۔ چوں کہ داراشکوہ کی سرپرستی میں لکھی تھی اس لیے مصنف نے اس کتاب کو انھی کے نام معنون کر دیا تھا۔(11)

۳۔اقوال واسطی

ابراہیم مسکین نے ابوبکر بن محمد بن موسی الواسطی کے اقوال کا فارسی میں ترجمہ کیا تھا۔ یہ ترجمہ بھی داراشکوہ کی سرپرستی میں کیا گیا تھا اس لیے مصنف نے اس کو داراشکوہ کے نام معنون کیا تھا۔(12)

●●●

حواشی:

1 داراشکوہ:سفینۃ الاولیا،مطبع نول کشور،1882،ص12

2 حسنات العارفین، باتصحیحات ومقدمہ،سیدمخدوم رھبن ،تہران،1352،ص:2

3 ایضاً

4 داراشکوہ: مجمع البحرین،تحقیق پروفیسرمحفوظ الحق مع انگلش ترجمہ،کلکتہ 1929 ص:80

5 جوگ بششٹ ، بہ کوشش ڈاکٹر تارا چند و پروفیسر امیر حسن عابدی،علی گڑھ 1968، مقدمہ، ص:23

6 ایضاً۔ص:22

7 مجمع البحرین، فارسی متن مع انگریزی ترجمہ از پروفیسرمحفوظ الحق،کلکتہ،1929،ص:15

8 Bikrama Jit Hasrat:Dara Shikoh: Life and Work, Calcutta,1953 pp.113-120

9 سیدصباح الدین عبدالرحمٰن: بزم تیموریہ،جلدسوم،دارالمصنفین اعظم گڑھ،طبع دوم،1981، جلدسوم ص:203

10 ایضاً،ص:205

11 ایضاً

12 ایضاً

●●●

عرفان وتصوف اور معرفت کی راہ میں

دارا شکوہ مغلیہ خاندان میں کئی اعتبار سے منفرد شخصیت کے مالک ہیں۔ خاص طور پر علم وفضل، سلوک وتصوف اور تصنیف وتالیف میں پورے مغل خاندان میں سلطان ظہیرالدین بابر کے علاوہ کوئی دوسرا ان کا ہم سر نہیں ہے۔ دارا شکوہ اپنے وقت کی ایک عظیم ہستی تھے۔ ان کی اہمیت صرف ان کے اپنے دور کے لیے نہیں تھی، بلکہ وہ ہر دور کے لیے ایک مثال رہے۔ وہ ہمیشہ ایک دانشور، محقق، وسیع المشرب شخصیت اور مصنف شہزادے کے طور پر یاد کیے جائیں گے۔ انھوں نے کئی تحقیقی کتابیں تصنیف کیں اور ان کے اکثر تصنیفی کام پائیدار اہمیت کے حامل ہیں۔ انھوں نے ایک کتاب سفینۃ الاولیا کے نام سے لکھی۔ اس کتاب کی تاریخی اہمیت بھی ہے اور تصوف میں بھی اس کا بڑا مقام ہے۔ اس کے علاوہ بھی ان کی کئی اہم کتابیں ہیں۔ وہ اچھے نثر نگار ہونے کے علاوہ ایک اچھے شاعر بھی تھے۔ ان کا ایک مستقل دیوان بھی ہے اور ان کے دیوان میں ان کی فکر رسا کے دریچے وا ہوتے ہیں اور سلوک وشہود کی پرتوں کی کشود ہوتی ہے۔

اسی طرح بابا لال بیراگی کے ساتھ دارا شکوہ کا مکالمہ ہوا تھا، یہ بھی کتابی شکل میں دستیاب ہے۔ اس مکالمہ میں انسانی فطرت کے اسرار اور نفس وشیطان کے دام تزویری کے غیر محسوس حجابات کھل کر سامنے آتے ہیں۔ سکینۃ الاولیا میں انھوں نے اپنے روحانی مرشد حضرت میاں میر کی سوانح حیات اور ان کے افکار وآرا کا مرقع کھینچا ہے۔ اگر دارا شکوہ نے صرف یہی کتابیں لکھی ہوتیں تو تاریخ میں اور تصوف وادبیات میں ان کا نام ہمیشہ زندہ

رہتا لیکن دارا شکوہ نے ان کے علاوہ کچھ تصنیفی کام اور بھی کیے ہیں جو عہد ساز اور عہد آفریں ہیں۔ وہ کام زمان و مکان کی قیود سے بلند ہیں۔ ان کے دو کارنامے ایسے ہیں جو ہمیشہ عہد ساز اور عہد آفریں کارناموں کے طور یاد کیے جائیں گے۔ پہلا سر اکبر اور دوسرا مجمع البحرین۔ سر اکبر منتخب اپنشدوں کا فارسی ترجمہ ہے اور مجمع البحرین اسلام اور ہندو دھرم کی روحانی روایات کے درمیان نقطہ اتحاد تلاش کرنے کی ایک کوشش ہے۔

دارا شکوہ اپنے مزاج کے اعتبار سے صوفی تھے۔ وہ تصوف کی روایت سے بہت متأثر تھے اور باضابطہ عملی صوفی تھے۔ اسی کے ساتھ ساتھ وہ ہندستان کی ویدانت کی روایت سے بھی بہت متأثر تھے۔ اس لیے انھوں نے اپنی کتاب مجمع البحرین میں ان دونوں روایتوں کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کتاب کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ یہ کتاب بطور علمی کاوش یا بطور تحقیق کے نہیں لکھی گئی تھی۔ بلکہ یہ ایک سیاسی نوعیت کی کتاب تھی اور یہ کتاب عوام کے لیے بھی نہیں لکھی گئی تھی بلکہ یہ کتاب صرف شاہی گھرانے کے لوگوں کے لیے لکھی گئی تھی۔ یعنی اس کتاب کا مقصد صرف شاہی گھرانے کے لوگوں کو اس مسئلے کی تفہیم کرانا تھا۔ اس کا مقصد عوام کو سمجھانا نہیں تھا۔

صوفیہ کرام کی سوانح حیات پر ان کی کتاب سفینۃ الاولیا ہے۔ یہ کتاب دراصل ان کے تمام کاموں کی بنیاد ہے۔ اس کتاب کی تصنیف سے متعلق انھوں نے لکھا ہے کہ ان کو یعنی دارا شکوہ کو چند خواب نظر آئے تھے جن سے ان کے اندر روحانیت کی تلاش کا جذبہ پیدا ہوا اور اِس تلاش میں انھوں نے صوفیہ کے حالات پڑھے، مزاروں پر گئے اور اپنے دل کی دنیا میں ڈوب کر تصوف کی روح اور روحانیت کے جوہر کو حاصل کرنے کی کوشش کی۔ دارا شکوہ اس لاہوتی دنیا کی تلاش میں ایسے مستغرق ہوئے کہ اسی میں ڈوب گئے اور پھر انھوں نے اس تلاش میں دوسروں کو بھی شامل کرنے کا فیصلہ کرلیا اور اِسی کام کے لیے انھوں نے یہ کتاب یعنی سفینۃ الاولیا لکھی۔

سفینۃ الاولیا دارا شکوہ نے اس وقت لکھی تھی جب ان کی عمر صرف پچیس سال تھی اور یہ ان کی پہلی باضابطہ تصنیف تھی۔ سفینۃ الاولیاء ایک طرح سے دارا شکوہ کے سفر سعادت

یعنی سفر سلوک کی ایک منزل ہے جہاں سریت اور مشاہدات کو منصۂ شہود پر آنا ضروری ہوتا ہے۔ داراشکوہ نے اس کے بعد گویا اپنے روحانی سفر کی دوسری منزل سکینۃ الاولیا لکھی جس میں ان کی فکر کسی ایک دائرہ میں مرکوز ہونے کے لیے کوشاں نظر آتی ہے اور شوق کی یہی منزل ہے جہاں سے ان کو کشف ذات کی وہ راہ ملی جس کو انھوں نے اپنے لیے سرمایہ حیات مان لیا۔ اسی منزل پر داراشکوہ کو بکھر جانے اور دائر ہو جانے کا سبق ملا اور اُن کی تلاش مذہب اسلام کی تعلیمات سیکھنے کے بعد اپنشد اور ویدانت تک پہنچی۔ داراشکوہ نے اپنے اس سفر شوق کے اندر نہ جانے کتنی منزلیں طے کیں۔ صوفیہ کی سوانح عمریاں اور ان کی دیگر تصنیفات جیسے حسنات العارفین اور مجمع البحرین تو اس کے صرف چند اظہار ہیں۔

داراشکوہ کے بارے میں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ وہ اس زمانے میں پوری دنیا کے دوسرے سب سے طاقت ور انسان تھے۔ اس زمانے میں ترکی ایک ایسا ملک تھا جو اس وقت ہندستان سے زیادہ بااثر تھا ورنہ ہندوستان دنیا کا سب سے طاقت ور ملک تھا۔ یوروپ کے تمام ملک بلکہ مجموعی طور پر پورا یوروپ بھی ہندوستان سے چھوٹا تھا۔ عروج کی بلندیوں پر پہنچ کر علم و عرفان اور گیان دھیان کی ایسی سادھنا بڑی غیر معمولی بات ہے۔ داراشکوہ کی شخصیت میں اس روایت کا جو امتزاج نظر آتا ہے ایسا امتزاج شاید دنیا کے اور کسی شاہی گھرانے میں نظر نہیں آتا۔

داراشکوہ کی زندگی کو اگر ایک لفظ میں بیان کیا جائے تو انھیں 'صوفی شہزادے' کا لقب دیا جا سکتا ہے۔ وہ بے انتہا مال و دولت، عزت و حرمت، شان و شوکت کے باوجود اپنے مزاج، اپنے طور طریقوں، اپنے خیالات اور اپنے رویوں میں بالکل ایسے تھے جیسے خانقاہ میں بیٹھا ہوا کوئی صوفی، یا کٹیا میں بیٹھا ہوا کوئی سَنت۔ انھوں نے اپنی دولت کو بھی صوفیہ، علماء اور سادھو سنتوں کے لیے وقف کر دیا تھا۔ وہ ان کی خدمت میں بڑی عقیدت سے حاضری دیتے۔ ان سے سوالات کرتے اور ان کی ہدایات پر عمل کرتے تھے۔ صوفیہ سے بھی ان کو بڑی عقیدت تھی اور اسی طرح سادھو سنتوں سے بھی ان کو بڑی عقیدت تھی۔ صوفیہ کے یہاں بھی وہ حاضری دیتے تھے اور سنتوں کے یہاں بھی۔ بابا لال بیراگی کے تو

بڑے معتقد تھے۔ وہ ان کو ہندوؤں میں سب سے کامل بزرگ مانتے تھے۔ ایک دن ان کو حضرت بابا لال بیراگی کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقع ملا تو انھوں نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر ان کے ذہن میں جتنے سوالات تھے وہ سب ان سے کر ڈالے اور ان کے جوابات لکھ لیے۔

داراشکوہ صوفیانہ مزاج اور رجحان کے ساتھ ساتھ مطالعے کے بھی بڑے شوقین تھے۔ خود ان کے کتب خانے میں بھی بہت کتابیں تھیں اور شاہی کتب خانہ بھی ان کے لیے کھلا ہوا تھا۔ ان کو پڑھنے کے ساتھ ساتھ لکھنے کا بھی شوق تھا اور ان کو لکھنے کا فن بھی آتا تھا۔ وہ فارسی زبان کے بہترین ادیب تھے، شاعر تھے اور ماہر ترجمہ نگار تھے۔ انھوں نے اپنی اس مہارت کو تصوف کے سمجھنے میں، ہندستانی روایات سے ان کا موازنہ کرنے اور اسے دوسروں تک پہنچانے میں خوب استعمال کیا ہے۔

داراشکوہ کے ذہنی سفر کا اگر تجزیہ کیا جائے بلکہ ان کی ذہنی کیفیات کے لحاظ سے ان کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ فطری طور پر ایک شہزادے تھے، لیکن ذہنی طور پر فقیر تھے۔ شہزادہ داراشکوہ کی زندگی اس طرح شروع ہوئی تھی کہ غم کی چھایا بھی ان کی زندگی پر نہیں پڑتی تھی۔ رنج وغم اور دکھ و پریشانی اس راستے سے ہٹ جاتی تھی جہاں سے داراشکوہ کا گزر ہوتا تھا۔ ایسے ماحول میں ان کو اندازہ ہی نہیں ہوا کہ غم کیا ہوتا ہے اور آرام کسے کہتے ہیں۔ اس لیے وہ اس ماحول سے اکتا گئے اور انھوں نے اپنی دنیا کے باہر بھی حقائق کو دیکھنے اور سمجھنے کی کوشش شروع کر دی۔ انھوں نے بھی حقیقت کی تلاش کا سفر شروع کیا۔ وہ مہاتما بدھ کی طرح راج محل چھوڑنے کی جرأت تو نہیں کر سکے، لیکن انھوں نے راج محل میں ایک کٹیا بنانے کی جرأت ضرور کر ڈالی اور انھوں نے پہلے مسلم صوفیہ سے اخذ واستفادہ کیا اور پھر ہندو سنیاسیوں سے اور اس کے بعد ہندو دھرم کے گروؤں اور سنسکرت کے عالموں سے ملاقاتیں کیں اور ان سے بھی حتی المقدور اخذ واستفادہ شروع کیا۔

سفینۃ الاولیا میں داراشکوہ نے چار سو سے زیادہ صحابہ، ائمہ، صوفیہ اور صوفی خواتین کا تذکرہ کیا ہے۔ اس تذکرہ میں صوفیہ کے احوال ان کے سلسلوں کے حوالے سے لکھے

ہیں اور جن صوفیہ کے سلسلوں کا پتہ نہیں چلا، یا پھر ان کا سلسلہ تھا ہی نہیں، ان کا بھی ذکر کر دیا ہے۔ تاہم اس کی بھی وضاحت کر دی ہے کہ ان کا سلسلہ معلوم نہیں ہے۔ اس کتاب میں ان صوفیہ کے مختصر احوال کے ساتھ ساتھ بالعموم ان کی تاریخ وفات کا ذکر کیا ہے جس کی روایت فارسی تذکروں میں کم تھی۔

صوفیہ کرام کی سوانح حیات کے اعتبار سے بھی سفینۃ الاولیاء تصوف کی تاریخ میں اہم مقام رکھتی ہے، لیکن جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا اس کتاب کا داراشکوہ کی زندگی میں ایک اور خصوصی مقام ہے۔ یعنی یہ کتاب داراشکوہ کے لیے دراصل عرفان ذات (Self Realization) کے عمل کا حصہ ہے۔ یعنی اس کتاب کی تصنیف کے ذریعہ داراشکوہ نے اپنی ذات کی تلاش کا سفر شروع کیا تھا جو مختلف منازل سے گزرتا رہا۔ اسی سفر کی ایک منزل ان کی دوسری کتاب سکینۃ الاولیاء ہے پھر یہ سفر اور آگے گیا تو گویا رسالہ حق نما میں ایک طرح سے ان کو منزل کا عرفان حاصل ہو گیا۔

داراشکوہ نے اپنے اس روحانی سفر کا تذکرہ کرتے ہوئے رسالہ حق نما میں خود لکھا ہے کہ:

> ''میری پہلی کتاب سفینۃ الاولیاء حق وصداقت اور سچائی کی تلاش کا سفر ہے۔ وہ ایک پیاس لیے ہوئے ہے۔ اس کے بعد جب مجھے مرید ہونے کی عزت ملی اور صوفیہ کے طریقوں اور اس راہ کے سلوک و مقامات سے واقفیت ہوئی تو میں نے اپنے مشائخ کے احوال پر ایک دوسری کتاب سکینۃ الاولیاء لکھی اور اب میرے اوپر عرفان اور توحید کے دروازے کھل گئے ہیں تو میں یہ کتاب یعنی حق نما لکھ رہا ہوں۔''

یعنی داراشکوہ نے جو سفر سلوک سفینۃ الاولیاء میں شروع کیا تھا وہ سفر رسالہ حق نما کی تصنیف تک آتے آتے مکمل ہو گیا۔ گویا ان کو وہ عرفان و آگہی حاصل ہوگئی جو صوفیہ کا مطمح نظر ہوتی ہے۔

داراشکوہ کا یہ صوفیانہ سفر اس زمانے کے دیگر صوفیہ کی طرح اُن کو وحدۃ الوجود کے

مقام تک لایا۔ راہ سلوک میں یہ ایسا مقام ہے جہاں تمام فرق مٹ جاتے ہیں اور صوفیہ کے بقول کائنات کی حقیقت اور توحید کی حقیقت کھل جاتی ہے۔ حالاں کہ یہ آخری منزل نہیں ہوتی جیسا کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے بیان کیا ہے کیوں کہ آخری منزل وحدانیت کا شہود نہیں بلکہ مقام عبدیت کا ادراک ہے۔ جیسا کہ خود سید الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ کا قول داراشکوہ نے بھی نقل کیا کہ 'الرجوع الی البدایۃ' یعنی آغاز کی طرف واپسی ہی سالک کی منزل ہے۔

سالک کو مقام وحدت تک کے سفر میں جن منازل کا ادراک ہوتا ہے داراشکوہ نے رسالہ حق نما میں ان منزلوں کا بیان تفصیل سے کیا ہے اور بتایا ہے کہ انسان کس طرح اپنی ذات، اس کائنات اور دوسرے عالموں میں اپنا روحانی سفر طے کرتا ہوا احدیت کی اس دنیا میں پہنچتا ہے جہاں سارے فروق واختلافات مٹ جاتے ہیں۔ اس کو وہ روشنی حاصل ہو جاتی ہے جس کے ذریعہ وہ دنیا کے تمام فروق کو اس کی اصلی حقیقت میں دیکھ لیتا ہے۔ یعنی اس کو احساس ہوتا ہے کہ فرق اضافی اور اعتباری ہے ورنہ ہر چیز ایک وحدت ہے داراشکوہ نے اس حقیقت کو اس طرح بیان کیا ہے کہ:

> ''وہی اول ہے وہی آخر ہے، وہی ظاہر ہے وہی باطن ہے۔ وہ دنیا ہر چیز کی دنیا ہے، دوسری دنیائیں اس کے لیے ایسے ہیں جیسے دریا میں موجیں یا لہریں، یا سورج اور ذرے۔''

مقام احدیت کی منزل تصوف کی راہ میں ایسی منزل ہے جس کے بیان کے لیے الفاظ کم پڑ جاتے ہیں۔ اس لیے صوفیہ ان مشاہدات اور واردات و کیفیات کو نثر میں بیان بھی نہیں کر پاتے بلکہ شعر کی زبان میں ان کو سمجھاتے ہیں، داراشکوہ نے بھی ان کیفیات کے بیان لیے شاعری کا سہارا لیا۔ ان کا ایک شعر ہے:

معشوق و عشق و عاشق ہر سہ یکے است اینجا
چوں وصل در نہ گنجد ہجراں چہ کار دارد

اس کا مطلب یہ ہے کہ اس منزل پر آنے کے بعد معشوق، عشق اور عاشق تینوں ایک ہی ہو جاتے ہیں۔ جب اس مقام پر وصل کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے تو فراق یا جدائی کے لیے جگہ کہاں ملے گی۔

انھوں نے ایک اور شعر میں اس مقام کی کیفیات کو اس طرح بیان کی ہیں:

بادشاہی را گزارا ے دوست آ گاہی گزیں

چوں بہ آ گاہی رسیدی ہر چہ می خواہی گزیں

یعنی اے دوست بادشاہت چھوڑ دے اور اس حقیقت کا علم حاصل کر لے۔ جب اس کا علم حاصل ہو جائے گا تو پھر جو چاہے گا وہ تم کو حاصل ہو جائے گا۔

ان اشعار میں داراشکوہ نے اپنے لحاظ سے تصوف اور سلوک کی آخری منزل کا بیان کیا ہے۔ اس منزل پر پہنچنے کے بعد سالک کی نظر میں سارے فرق مٹ جاتے ہیں اور جیسا کہ داراشکوہ نے لکھا ہے، اس کو احساس ہوتا ہے خدا کی راہ میں ہر سالک اپنے اپنے طریقے کے مطابق سفر کرتا ہے۔ یہ راستے الگ الگ ہوتے ہوئے بھی ایک ہی ہوتے ہیں۔ ان کی مثال ایسی ہے جیسے پانی، یعنی پانی جس برتن میں ہوتا ہے اسی برتن کی شکل اختیار کر لیتا ہے، لیکن اس کی حقیقت ایک ہی رہتی ہے۔

داراشکوہ کا یہ احساس ہے کہ سفر سلوک میں ان کو یہ عرفان حاصل ہوا تھا۔ لیکن وہ اس احساس پر اپنے آپ کو روک نہیں سکے۔ انھوں نے اس کے بعد دوسری روحانی روایات خاص طور پر ہندو مذہب اور اس میں بھی خاص طور پر ویدانت کا مطالعہ شروع کیا۔ اس مطالعہ سے ان کو یہ ادراک ہوا کہ ہندو مذہب میں ویدانت کا طریقہ بھی تقریباً وہی ہے جو اسلام میں سلوک و تصوف کا ہے۔ سلوک کا راستہ جس منزل پر لے جاتا ہے۔ ویدانت بھی وحدۃ الوجود کی اُسی منزل پر لے جاتا ہے اور آخری منزل پر سب کو ایک ہی عرفان حاصل ہوتا ہے کہ اصل حقیقت صرف وہی ایک ہے اور ہر جلوہ اسی کا جلوہ ہے۔

داراشکوہ نے ہندو مذہب کے وسیع مطالعے کے ساتھ ساتھ تصوف اور سلوک کے ان مشترک پہلوؤں کا مطالعہ کیا تو ان کو اس کا احساس ہوا کہ یہ حقیقت جو ان کو اس طویل

مجاہدے کے بعد حاصل ہوئی ہے،اگر اس کا ادراک تمام لوگوں کو ہو جائے تو دونوں مذاہب کے اختلافات خود بخود ختم ہو جائیں گے اور لوگ الفاظ کے گورکھ دھندے سے نکل کر حقیقت کی دنیا میں قدم رکھیں گے۔

داراشکوہ کے اوپر اس احساس کا غلبہ اس قدر شدید ہوا کہ انھوں نے اس کو عام کرنے کی کوشش شروع کردی اور اِسی جذبہ سے شاہی گھرانے کو مطمئن کرنے کے لیے انھوں نے مجمع البحرین کے نام سے ایک کتاب لکھی۔اس کتاب کے ذریعہ انھوں نے یہ پیغام دیا کہ ہندو مذہب سمندر کا ایک دھارا ہے اور اسلام بھی سمندر کا ایک دھارا ہے۔ان دونوں دھاروں کے درمیان جو اختلاف ہے وہ الفاظ کا اختلاف ہے۔حقیقت کے اعتبار سے ان دونوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔دونوں ایک ہی راہ کے مسافر ہیں۔

مجمع البحرین داراشکوہ کی نہایت اہم کتاب ہے اگرچہ اس کے مخاطب عوام نہیں ہیں لیکن اس کتاب کے ذریعے انھوں نے مذہبی ہم آہنگی اور قومی یک جہتی کی ایک مثال قائم کرنے کی کوشش کی۔یہ اتفاق ہے کہ بعد کے حالات داراشکوہ کے لیے زیادہ موافق ثابت نہیں ہوئے اور حکومت ان کے دشمنوں کے ہاتھ میں چلی گئی جس کی وجہ سے ان کے نظریات سرکاری سرپرستی سے محروم ہو گئے۔

داراشکوہ کی یہ کوشش کوئی انفرادی کوشش تو پہلے بھی نہیں تھی۔ملک کے طول وعرض میں بہت سے لوگ اور بھی تھے جو ہندوستان کے اندر اسی طرح کی مذہبی ہم آہنگی پیدا کرنے اور ہندو و مسلمانوں کی ایک مشترکہ تہذیب کو فروغ دینے کے لیے کوشاں تھے۔ اتفاق یہ ہے کہ مسلم علما اور دانش وروں میں آج بھی ایک طبقہ ہے جو مذہبی منافرت کو ختم کرنے کے لیے لگاتار جد جہد کرتا رہتا ہے۔داراشکوہ کی کوششوں سے اختلاف کیا جا سکتا ہے لیکن اگر اس کو قومی یک جہتی کے فروغ کے لیے ان کی کوشش مانا جائے تو یقیناً یہ نہایت اہم روایت ہے۔

داراشکوہ کے طریقہ کار یا ان کے کسی نظریے سے کسی کو بھی اختلاف ہوسکتا ہے اور یہ حقیقت بھی ہے جب بھی کوئی نئی طرح ایجاد کی جاتی ہے تو اس سے اختلاف ہوتا ہے۔

لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ داراشکوہ کے خلوص نیت سے انکارنہیں کیا جا سکتا۔انھوں نے اپنے دور کے لحاظ سے اس ملک کی تعمیر وترقی کے لیے جو بہتر سمجھا اس کو پورے خلوص کے ساتھ سب کے سامنے پیش کیا۔

داراشکوہ اگرچہ بچپن سے تصوف وسلوک کی راہ پر گامزن تھے۔بزرگوں سے عقیدت ان کے مزاج میں رچی بسی تھی۔لیکن حضرت میاں میر سے ملنے کے بعد وہ باضابطہ صوفی سلسلے سے وابستہ ہوگئے۔حضرت میاں میر قادریؒ سلسلے سے تعلق رکھتے تھے۔ داراشکوہ کواس سلسلے سے ایسی عقیدت ہوگئی کہ انھوں نے اپنا تخلص بھی قادری رکھ لیا۔لیکن اتفاق ایسا ہوا کہ داراشکوہ حضرت میاں میرؒ سے بیعت نہیں ہو پائے تھے۔جب وہ بیعت کرنے کے لیے تیار ہوئے تو حضرت میاں میرؒ کا انتقال ہوگیا۔اس لیے داراشکوہ نے بعد میں حضرت میاں میر کے ایک خلیفہ ملا شاہ بدخشیؒ سے بیعت کی۔

سلسلہ قادری میں بیعت ہونے کے بعد داراشکوہ نے قادری طریقے کے مطابق ذکروغیرہ اس سلسلے کی مشق وریاضت شروع کردی۔تصوف میں مشق وریاضت کے ذریعے کچھ اسرار ورموز واشگاف ہوتے ہیں اورسالک کچھ کیفیات و واردات سے دوچار ہوتا ہے۔داراشکوہ کوبھی یہ کیفیات پیش آئیں۔ان کی حقیقت تو سوائے اللہ رب العزت کے کسی کونہیں معلوم لیکن سالک پر جب یہ کیفیات وارد ہوتی ہیں تو وہ ان کیفیات کواپنے الفاظ میں بیان کرتا ہے۔داراشکوہ نے بھی ان کیفیات اوران کے نتیجے میں حاصل ہونے والے مقامات کاذکر اپنی کتاب حق نما میں بھی کیا ہے۔

داراشکوہ نے جو کتابیں لکھیں وہ بھی سب کی سب تصوف، روحانیت، ادھیاتم اور ویدانت کے بارے میں تھیں۔داراشکوہ کی تصنیفی زندگی میں ارتقا تو ہے اس کوسب بیان کرتے ہیں لیکن کچھ لوگ ان کی تصانیف کوتین ادوار میں تقسیم کرتے ہیں اور کچھ لوگ دو ادوار میں تقسیم کرتے ہیں۔

داراشکوہ کی تصانیف کے حوالے سے شروع میں یہ بات ذکر ہو چکی ہے کہ ان کی تصنیفات کے کئی ادوار ہیں ان میں سے پہلا دور وہ ہے جو ویدانت اور ہندوفلسفہ سے متأثر

ہونے سے پہلے کا ہےاور دوسرا دوراس کے بعد کا۔تاہم دوسرے اعتبار سے دیکھا جائے تو ان کی تصانیف کو تین ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ان کی کچھ کتابیں تو وہ ہیں جن میں انھوں نے اپنے سے پہلے کے صوفیوں کے حالات زندگی اور ان کی تعلیمات کو لکھا ہے۔ ایسی کتابوں میں سفینۃ الاولیاءاور سکینۃ الاولیاء شامل ہیں۔دوسری کتابیں وہ ہیں جن میں انھوں نے اپنے روحانی سفر اور ادھیاتمک جیون کے تجربات کو بیان کیا ہے۔ایسی ایک کتاب رسالہ حق نما ہے جو سلوک کی منزلوں کا بیان ہے۔

مذکورہ بالا کتابوں کے علاوہ ان کی سب سے اہم کتاب ان کی شاعری ہے۔اپنی شاعری میں انھوں نے اس دنیا کے علاوہ ادھیاتمک دنیاؤں کا پورا بیان کیا ہے۔ان کی شاعری زیادہ تر انہی نظریات کو بیان کرتی ہے۔شاید یہی وجہ ہے کہ وہ بہت بڑے شاعر ہونے کے باوجود عوام میں اتنے مقبول نہیں ہیں۔چوں کہ عوام ان کے بیان کردہ حقائق کو سمجھ ہی نہیں پائے۔ان کے علاوہ طریقۃ الحقیقت کے نام سے ان کا ایک رسالہ ہے اس کو بھی اسی دور سے وابستہ مانا جا سکتا ہے چوں کہ اس میں انھوں نے تصوف کی حقیقت پر روشنی ڈالی ہے۔

داراشکوہ کی تصانیف میں تیسری قسم کی کتابیں وہ ہیں جن میں انھوں نے ہندو دھرم میں رائج روحانیت یا ویدانت کی روایت کا مطالعہ کیا ہے اور اس کو اسلام سے جوڑ کر اسلام اور ہندو دھرم کے درمیان ایک پل بنانے کی کوشش کی ہے۔دونوں دھرموں کا ایک سنگم بنایا ہے۔اس لیے ایک کتاب کا تو نام ہی انھوں نے مجمع البحرین رکھا ہے جس کا مطلب ہوتا ہے سنگم۔یعنی اس کتاب کے ذریعے انھوں نے اسلام اور ہندو دھرم میں روحانیت کی 'دھاراؤں' کا سنگم پیش کیا ہے۔اس طرح کی دوسری کتاب بابالال بیراگی سے مکالمہ ہے اور اپنشدوں کا ترجمہ سرا کبر یعنی سب سے بڑا راز یا سب سے بڑا رہسیہ بھی اس سلسلے کی کڑی ہے۔

اسلام کے بنیادی مراجع یعنی قرآن و حدیث میں بھی مذہبی ہم آہنگی کی مضبوط بنیادیں موجود ہیں اور اپنی نوعیت کے اعتبار سے وہ بہت پائیدار ہیں۔لیکن یہ بات ملحوظ رہے کہ داراشکوہ کی پوری کاوش تصوف اور ویدانت میں مطابقت پیدا کرنے کی ہے۔اس

سلسلے میں انھوں نے قرآن وحدیث کی طرف توجہ نہیں دی ہے،شاید یہ زمانے کا جبر تھا کہ داراشکوہ اُس مخصوص دائرے کے باہر نہ نکل سکے۔

سلوک وتصوف اور ویدانت کی راہ اپنی آنکھوں سے دیکھی جاسکتی ہے، کسی کے ذریعے سمجھائی نہیں جاسکتی۔ یہ راستہ ایسا انوکھا ہے کہ جواس پر چلے گا وہی اس کو سمجھے گا۔ وہ اگر کسی کو اپنی زبان سے سمجھانا چاہے تو پوری طرح نہیں سمجھا جاسکتا۔ اس لیے بہت سے لوگ صوفیہ پر اعتراض کر دیتے ہیں اور ان کے تجربات کو غلط طریقے سے بیان کرتے ہیں۔ داراشکوہ کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ جب انھوں نے اپنی کتاب حق نما میں اپنے تجربات بیان کیے تو بہت سے لوگوں نے ان پر اعتراض کیا۔ اس کے لیے داراشکوہ نے ایک اور کتاب لکھی ،اس کا نام حسنات العارفین ہے۔اس میں انھوں نے بتایا کہ ہم نے جو تجربات بیان کیے ہیں وہ انوکھے نہیں ہیں بلکہ ہم سے پہلے بھی بہت صوفیہ ان مراحل سے گزر چکے ہیں اور انھوں نے اپنی کتابوں میں ان کو درج بھی کیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ داراشکوہ ایک صوفی منش عالم ،ایک وسیع القلب مدبر،علم اور علماء اور صوفی سنتوں کے عقیدت کیش اور بڑے نیازمند تھے۔ وہ بادشاہ نہیں بن سکے لیکن اس کی شہزادگی کسی مطلق العنان بادشاہ سے کم نہیں تھی۔اس کے باوجود ان کی شہزادگی کی پوری داستان تصوف اور ویدانت کے سایے میں گزری۔ انھوں نے علم حاصل کرنے اور صوفی سنتوں کے گیان اور ان کے تجربات سے فائدہ اٹھانے کے لیے سفر کیے۔اہل دل صوفیہ اور سادھوؤں کی خدمت میں حاضر ہوئے۔اپنی مشکلات ان کو سنائیں اور ان سے جوابات حاصل کرکے اپنے من کو شانت کیا۔

تصوف اور سلوک کے حوالے سے داراشکوہ کی زندگی ادھوری ہے جب تک اس میں ان کے روحانی مرشد حضرت میاں میر کا فیضان شامل نہ ہو۔حضرت میاں میر سے ان کی عقیدت اور محبت بے مثال ہے۔خود داراشکوہ نے حضرت کے ساتھ اپنی عقیدت کے عجیب واقعات لکھے ہیں۔اگلے صفحات میں اسی لیے حضرت میاں میر علیہ الرحمہ کے احوال اور داراشکوہ کے لیے ان کی عقیدت سے متعلق کچھ سطور لکھی جارہی ہیں۔

حضرت میاں میر قادریؒ کے آستانے پر

روحانی دنیا ایسی دنیا ہے جس کو عقل و منطق سے زیادہ واسطہ نہیں ہوتا۔ لیکن اس کی بنیادیں عقل و منطق سے زیادہ مضبوط ہوتی ہیں۔ اگر دیکھا جائے تو عقل کی دنیا کنار ساحل سے تماشائے موج دیکھنے کا نام ہے اور روحانیت کی دنیا خود موج مضطر بننے کا نام ہے۔ اسی لیے روحانی سفر کا ایک تقاضا عقیدت بھی ہے۔ داراشکوہ نے بھی سلوک و تصوف کا سفر اختیار کیا۔ اس سفر میں ان کو بھی بہت سے لوگوں سے عقیدت ہوئی لیکن ان تمام شخصیات میں ان کو سب سے زیادہ عقیدت حضرت میاں میر قادری رحمۃ اللہ علیہ سے ہوئی اور یہ عقیدت اتنی بڑھی کہ جب میاں میر کی وفات ہوگئی تو داراشکوہ نے باضابطہ ان کی سوانح حیات لکھی۔ اس کام کے لیے لاہور کا سفر کیا اور وہاں حضرت کے مریدین اور خلفاء سے ان کے حالات دریافت کر کے ان کی سوانح حیات لکھی۔ اس کتاب کے ذریعے انھوں نے حضرت میاں میر قادری علیہ الرحمہ کی سوانح حیات اور ان کے صوفیانہ افکار کو ایک سلک مروارید میں اس طرح پرو دیا کہ آج بھی ان کو گویا زندہ دیکھا جا سکتا ہے۔ اگر داراشکوہ نے یہ کتاب نہ لکھی ہوتی تو شاید میاں میر کے احوال اتنی تفصیل سے دستیاب نہ ہو سکتے تھے۔

داراشکوہ تو بڑے عقیدت کیش تھے لیکن ان کے دادا اور اس وقت کے بادشاہ سلطان جہانگیر کو عقیدت کیشی اور بزرگوں سے وابستگی کا حصہ وافر مقدار میں نہیں ملا تھا۔ انھوں نے متعدد اکابر و اولیا کے ساتھ زیادتیاں بھی کیں۔ البتہ حضرت میاں میر سے ان کو بھی بڑی عقیدت تھی۔ شاہجہاں کو بھی حضرت سے بڑی عقیدت تھی اور وہ کئی بار حضرت

کے آستانے پر حاضر بھی ہوئے تھے۔

جہانگیر اور شاہ جہاں کے علاوہ شاہی دربار کے اور بھی بہت سے لوگوں کو حضرت میاں میرؒ سے بڑی عقیدت تھی۔ شاہجہاں جب لاہور آتے تو حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ ایسی ہی ایک ملاقات 7 اپریل 1634 میں ہوئی اور اس موقع پر نوجوان داراشکوہ بھی والد کے ہمراہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ دوسری مرتبہ اس ملاقات کے دو دن بعد پھر حاضری ہوئی اور تیسری مرتبہ چند ماہ کے بعد 18 دسمبر 1634 میں اس وقت حاضری کا موقع ملا جب داراشکوہ کشمیر سے واپس لاہور آئے تھے۔

داراشکوہ بس اتنا ہی حضرت کی خدمت میں حاضر ہو سکے البتہ خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہا۔ حضرت کی سوانح سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نے داراشکوہ کے نام کئی خط لکھے تھے اور داراشکوہ نے بھی عریضے ارسال کر کے اظہار نیازمندی کیا تھا۔ حضرت کی خدمت میں اس حاضری اور خط و کتابت کے ذریعے وابستگی کا اثر یہ ہوا کہ داراشکوہ نے باضابطہ ان سے بیعت کرنے کا ارادہ کر لیا۔ لیکن اس ارادے کے عملی صورت اختیار کرنے سے قبل ہی حضرت میاں میرؒ کا انتقال ہو گیا۔ داراشکوہ نے اس کے بعد مرشد کی تلاش میں بہت کوشش کی۔ لیکن ان کو کہیں اطمینان نہیں ہوا اور آخر میں حضرت میاں میر کے خلیفہ ملا شاہ بدخشیؒ سے بیعت ہو کر سلسلہ قادریہ سے وابستہ ہو گئے۔

حضرت میاں میرؒ کی وفات کے بعد داراشکوہ لاہور آئے اور یہاں رہ کر انھوں نے حضرت سے عقیدت میں لاہور شہر کو بھی ترقی دی اور حضرت میاں میر کی سوانح لکھنے کا بھی فیصلہ کیا۔ داراشکوہ نے حضرت کے مریدین اور خلفاء سے دریافت کر کے حضرت کے احوال جمع کیے۔ 28 سال کی عمر میں 1642 میں انہوں نے اس کتاب کی تالیف کا کام شروع کیا اور کم و بیش چھ سال کی محنت کے بعد یہ کتاب 1648 میں مکمل ہوئی۔

داراشکوہ کو ہر طرح کے وسائل حاصل تھے۔ انھوں نے اس کتاب کی تالیف میں ان وسائل کا خوب استعمال کیا ہے۔ چنانچہ حضرت کے احوال دریافت کرنے کے لیے ان کے مریدین اور خلفا کے علاوہ بھی بہت سے لوگوں سے اور خاص طور پر حضرت کے اعزا

سے معلومات حاصل کیں۔ کتاب میں متعدد جگہ اس لوگوں کے نام درج ہیں جن سے انھوں نے استفادہ کیا تھا۔ ملا شاہ بدخشی کے بھی بے شمار حوالے ہیں اسی طرح حضرت کی تاریخ پیدائش کی تحقیق کے لیے حضرت کے سگے بھتیجے سے رجوع کیا اور وہ حضرت کے آبائی وطن سیوستان (سندھ کے ایک گاؤں) جا کر وہاں سے تحقیق کر کے حضرت کی تاریخ پیدائش لکھ کر لائے تھے۔ اسی طرح حضرت کی تعلیم و تربیت، راہ سلوک کی منازل، لاہور میں قیام اور حضرت کے افکار سے متعلق مختلف لوگوں سے معلومات حاصل کیں۔ اس کتاب میں جگہ جگہ ان مختلف لوگوں کے حوالے موجود ہیں جن سے انھوں نے معلومات فراہم کیں تھیں۔

داراشکوہ کی یہ کتاب اعلی تحقیق کا نمونہ ہے۔ انھوں نے یہ کتاب جدید تحقیقی اصولوں کے مطابق لکھی ہے۔ اگرچہ تصوف میں کرامات کا پہلو بھی آجاتا ہے اس کتاب میں بھی ہے لیکن مجموعی طور یہ کتاب تحقیقی ہے اور اس میں سوانحی احوال بڑی حد تک معیاری تحقیق کے بعد درج کیے ہیں۔ داراشکوہ نے خود لکھا ہے کہ اس کتاب کی تصنیف سے ان کا مقصد عبارت آرائی نہیں ہے بلکہ جو حقیقت ان کو حاصل ہوئی اس کا بیان ہے اور ایک مقصد یہ بیان کیا ہے کہ یہ واقعات مندرج ہو جائیں تاکہ بعد میں ان واقعات کے اندر صحیح اور غلط باتیں شامل نہ ہو جائیں۔ چناں چہ اس کتاب کے ترقیمہ میں لکھتے ہیں:

> ''الحمدالله کہ یہ کتاب موسوم بہ سکینۃ الاولیاء پایہ تکمیل کو پہنچی۔ اس میں حضرت میاں جیو اور اپنے شیخ ملا شاہ بدخشی اور دوسرے اصحاب کے جو حالات و واقعات اور کرامتیں درج کی گئی ہیں وہ بلاشبہ ہزارواں حصہ ہیں۔ اس گروہ کی لاتعداد کرامتیں لوگوں کی زبان پر ہیں اور بہت مشہور بھی ہیں۔ ان کا زبانی ذکر، خواہ معتبر لوگ ہی کیوں نہ کریں، ان میں رفتہ رفتہ فرق آتا جاتا ہے اور بعض خاص باتیں حافظوں سے بھی اتر جاتی ہیں۔ قریبی زمانے کے لوگ اگر تحقیق کر کے انہیں قلمبند کر لیں تو جوں جوں وقت گزرے گا ہر شخص ان کو حقیقی واقعات کے مطابق تحریر کرے گا اور ان میں کسی قسم کا فرق نہیں آنے پائے گا۔ اسی وجہ سے میں ان واقعات کو حضرت میانجیو رحمتہ اللہ علیہ کے اصحاب سے تحقیق کرنے کے بعد بڑی احتیاط سے احاطۂ تحریر میں لایا ہوں۔ اس سے میرا

مقصد عبارت آرائی ہرگز نہیں ہے:

قصد شہرت نہ بود جامی را
کایں ہمہ نظم آبدار نوشت
بہر احباب بر صحیفہ دہر
نکتہ چند یاد گار نوشت

(جامی نے جو یہ آب دار نظم لکھی ہے تو اس سے ان کا مقصد شہرت حاصل کرنا نہ تھا یہ تو انہوں نے صحیفہ دہر پر یعنی دنیا میں احباب کی خاطر بطور یادگار چند نکات ورموز تحریر کیے ہیں۔)

امید ہے کہ قارئین نہ صرف اس کی ظاہری عبارت پر نظر نہیں ڈالیں گے بلکہ اس کے مطالب پر غور وخوض کریں گے۔حق سبحانہ وتعالی اپنے اس طبقے کی برکت سے مجھے نفس کے ریا اور شیطان کے مکر سے رہائی دے اور دوستوں اور عزیزوں میں شامل کرے اور ان کی محبت اور سعادت سے بہرہ مند کرے۔آمین

صد شکر کہ ایں سکینہ میاں میر
بس تمام شد بہ حسن تحریر
چوں حضرت میاں میر را نبود ثانی
البتہ مر ایں سکینہ را نیست نظیر

(خدا کا بے حد شکر ہے کہ حضرت میاں میر سے متعلق یہ کتاب سکینۃ الاولیاء حسن تحریر سے تکمیل پذیر ہوئی۔جیسے کہ حضرت میاں میر کا کوئی ثانی نہ تھا ویسے ہی اس کتاب کی بھی کوئی نظیر نہیں ہے۔'')(1)

داراشکوہ کی تمام تصانیف میں یہ بات قدر مشترک کی طرح ہے کہ انھوں نے تصنیف وتالیف کا مشغلہ صرف اپنے ذوق تصنیف کی تسکین کے لیے اختیار نہیں کیا تھا بلکہ کتاب لکھنے سے بھی ان کا اصل مقصد حق کی تلاش کرنا اور جو کچھ حاصل ہوا اسے قلم بند کرنا ہے۔ان کا یہی طریقہ ان کی تمام کتابوں میں رہا اور یہی اسلوب زیر نظر کتاب سکینۃ

الاولیا میں بھی نظر آتا ہے۔ یہ کتاب ایک صوفی بزرگ کی سوانح عمری ہے لیکن اس کا مقصد بھی دراصل وہی تلاش اور تلاش میں اضطراب ہے۔ چناں چہ داراشکوہ نے اپنی کتاب کے مقدمے میں خود لکھا ہے:

> ''اس کے بعد یہ فقیر (داراشکوہ) عرض کرتا ہے کہ میں نے ہمیشہ جب سے بادشاہ مطلق اور صاحب یگانہ یعنی اللہ رب العزت کے حضور دعا کی ہے کہ وہ مجھے اپنے فضل سے اپنے دوستوں اور دوستداروں میں شامل کر لے، اپنے جام معرفت سے یک جرعہ پلا دے، اور میرے دل کی مراد پوری کر کے غیر اللہ سے رہائی دلا دے، میرا دل ہمیشہ فقیروں اور درویشوں کا فریفتہ رہا اور انھی کی جستجو میں میں نے وقت بسر کیا۔(2)

داراشکوہ روحانیت اور سلوک کی جس راہ کے متلاشی ہیں، خود ان کے بقول، اس راہ میں فقر ایک لازمی تقاضا ہے اور داراشکوہ بہر حال ایک شہزادے تھے۔ وہ طبقہ فقرا میں سے نہیں تھے اس لیے ان کو بار بار اس کا احساس بھی ہوتا تھا کہ جس راستے پر وہ گامزن ہیں اس کے تقاضے دوسرے ہیں اور جو ان کی زندگی کی حقیقت ہے اس کے تقاضے دوسرے ہیں۔ داراشکوہ کو یہ احساس تو تھا لیکن وہ اپنی ظاہری جاہ و منزلت کو ترک کرنے کی جرأت نہیں رکھتے تھے، بلکہ وہ اس سے پوری طرح وابستہ تھے۔ اس لیے انھوں نے اپنے اس احساس کو کم کرنے کے لیے بزرگوں کے اقوال نقل کیے ہیں اور اپنی اس کشاکش کا ذکر بھی اپنی کتاب میں کیا ہے۔ ایک جگہ لکھا ہے:

> ''اگر چہ میں اہل ظاہر سے تعلق رکھتا ہوں لیکن درحقیقت میں اہل ظاہر میں سے نہیں ہوں۔ بلکہ میں نے اہل ظاہر کی بے خبری اور آفت کو سمجھ لیا ہے۔ اگر چہ میں درویشوں سے دور ہوں لیکن میں انہیں میں سے ہوں۔ صاحب کشف المحجوب حضرت علی ہجویری داتا گنج بخش فرماتے ہیں کہ آدمی مال و دولت کی زیادتی کی وجہ سے دنیا دار نہیں ہوتا اور مال و متاع کی کمی کی وجہ سے وہ فقیر نہیں ہوتا جو شخص فقر کو افضل سمجھتا ہے غنا اسے دنیا دار نہیں ہونے دیتا خواہ وہ

بادشاہ ہی کیوں نہ ہو۔ جو شخص فقر کا منکر ہے وہ دنیا دار ہوتا ہے خواہ وہ مفلس ہی
کیوں نہ ہو۔‘‘(3)

سکینۃ الاولیا بڑی معیاری کتاب ہے یہ اپنے مواد کے اعتبار سے ایک حوالہ جاتی کتاب بھی ہے۔اس کتاب کے ذریعہ داراشکوہ نے صرف حضرت میاں میرؒ کے احوال ہی مرتب نہیں کیے بلکہ ایک عہد کو زندہ کر دیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ داراشکوہ یہ کتاب نہ لکھتے تو یہ باب اتنی تحقیق کے ساتھ سامنے نہ آپاتا۔اس کتاب میں حضرت میاں میر کے ساتھ ان کے اہم مریدین اور خلفا کے احوال اور ان کی خدمات کا بھی جامع تعارف آ گیا ہے۔ اس کتاب کی ترتیب اس طرح ہے۔

باب اول: حمد، نعت وتوصیف صحابہ، سکینۃ الاولیا کا سبب تالیف اور پیر طریقت کی ضرورت۔

باب دوم: سلسلہ قادریہ کی فضیلت، تصوف کے دیگر سلاسل کا تعارف اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کے فضائل کے لیے مختص ہے۔

باب سوم: حضرت میاں میر کے سوانحی احوال، ان کے آباواجداد، وطن، بیعت، لاہور میں قیام، ان کے اشعار، ان کی نصیحتیں، بادشاہوں سے تعلق، اخیر عمر، وفات، حضرت کے معمولات، لباس، حلیہ مبارک، فقر وغنا، ترک جاہ، ادائے نماز، سلوک کے مراتب، توجہ الی اللہ اور توجہ الی الخلق، سماع، وجد، ترک وتجرید اور راہ معرفت کے رموز کی عقدہ کشائی جیسے موضوعات کے لیے مختص ہے اس میں ان موضوعات پر تحقیقی انداز میں گفتگو کی گئی ہے۔

باب چہارم: کرامتوں کے بارے میں۔

باب پنجم: ان مقامات کی تفصیل میں ہے جہاں حضرت میاں میر اپنی حیات میں بیٹھتے تھے۔

باب ششم: حضرت کی ہمشیرہ بی بی جمال کے احوال میں ہے جو خود بھی ایک عظیم صوفی اور درویش تھیں۔

بابِ ہفتم: حضرت کے ان مریدین کے بارے میں ہے جو حضرت کی زندگی میں فوت ہو گئے۔

بابِ ہشتم: حضرت کے ان مریدین اور خلفاء اور خادموں کے احوال میں ہے جو حضرت کی وفات کے بعد بھی حیات رہے ان میں بھی ملا شاہ بدخشی پر جو حصہ ہے وہ خود ایک کتاب کے بقدر ہے۔ باقی خلفاء کے احوال نسبتاً مختصر ہیں۔

داراشکوہ نے اس کتاب میں حضرت میاں میرؒ کے ساتھ اپنے دادا سلطان جہانگیر، والد سلطان شاہجہاں اور خود اپنے روابط کا بھی تذکرہ کافی تفصیل سے کیا ہے۔ جہانگیر کے بارے میں لکھا ہے کہ سلطان جہانگیر کو اولیاء سے زیادہ عقیدت نہیں تھی بلکہ وہ ان کو تکلیف بھی پہنچاتے تھے لیکن میاں میرؒ سے ان کو بھی بڑی عقیدت تھی۔ حضرت میاں میر کے پاس انھوں نے ایک فرستادہ بھیج کر ان سے درخواست کی تھی کہ آپ آگرہ تشریف لائیں۔ میاں میر نے اس کو قبول کیا اور آگرہ تشریف لے گئے اور بادشاہ سے ملاقات کی۔ اس ملاقات کے بارے میں داراشکوہ نے سکینۃ الاولیا میں لکھا ہے کہ:

> ''بادشاہ نے خلاف عادت حضرت کی بدرجہ کمال تعظیم کی۔ کچھ عرصہ شاہ و درویش اکٹھے رہے اور باتیں ہوتی رہیں۔ حضرت نے باشاہ کو پند و نصیحت کی اس کا اثر بادشاہ کے دل پر ایسا ہوا کہ کہنے لگے کہ سلطنت، جاہ و حشمت، مال و جواہر جو کچھ میرے پاس موجود ہے، میری نظر میں سنگ و خس کے برابر ہے۔ اگر حضرت توجہ فرمائیں تو میں علائق دنیا کو ترک کر دوں۔
>
> حضرت میاں جیو نے فرمایا: ''صوفی کامل وہ ہوتا ہے جس کی نظر میں سنگ و خس برابر ہوں۔ اب جو تم نے کہا کہ سنگ و خس تمھاری نظر میں یکساں ہیں، تو تم صوفی ہو' بادشاہ نے کہا کہ: ''میاں جیو! آپ کیوں ایسی دلیلیں پیش کر کے مجھ سے پیچھا چھڑانا چاہتے ہیں؟'' آپ نے فرمایا کہ'' تمہارا وجود خلق اللہ کی پاسبانی کے لیے لازم ہے۔ تمہارے عدل کی برکت سے فقرا بھی جمعیت خاطر سے اپنے اپنے کام میں مصروف ہیں اس لیے آپ جہاں ہیں وہیں رہیں۔''

بادشاہ نے کہا میاں جیو: البتہ توجہ فرمائیے۔ حضرت نے کہا تم پاسبانی خلق کے لیے اپنے جیسا کوئی اور مہیا کرلو تو میں تمھیں ساتھ لے جاکر مشغول کردوں گا۔ بادشاہ کو یہ بات بہت پسند آئی اور کہا کچھ فرمائش بتائیے۔ حضرت نے فرمایا: ''جو طلب کروں گا وہ دوگے؟'' بادشاہ نے کہا: ''بہ سروچشم'' آپ نے فرمایا: ''بس یہ چاہتا ہوں کہ مجھے رخصت دے دو''۔ بادشاہ نے اسی وقت پورے پورے احترام سے آپ کو رخصت کیا اور حضرت وداع ہوکر لاہور تشریف لے آئے''۔(4)

داراشکوہ نے مزید لکھا ہے کہ جہانگیر بادشاہ نے دوبارہ بھی ملنے کی خواہش کی تھی لیکن شاید پھر ملاقات نہیں ہوئی۔ البتہ انھوں نے جہانگیر کے دو خطوط کا تذکرہ کیا ہے جو انھوں نے حضرت میاں میر کو لکھے تھے۔ ایک خط میں لکھا تھا:

> ''یہ مخلص حقیقی عرض نیاز کے بعد اپنا خلوص حضرت تک پہنچانے کی سعادت حاصل کررہا ہے۔ یہ بھی خواہش ہے کہ حضرت کی ملاقات نصیب ہو۔''

دوسرے خط میں لکھا ہے:

> ''حضرت پیر دستگیر کی خدمت میں بارگاہ الٰہی کے نیازمند جہانگیر کی طرف سے بعد از دعا التماس ہے کہ مجھے دعا کے وقت گاہے گاہے یاد فرما لیا کریں۔ نیز عرض ہے کہ خدا کے بندوں کو ظالم، راہ گم کردہ کے ہاتھ سے نجات دلا دیں جو شخص بدعہدی کرتا ہے امید ہے وہ غضب الٰہی میں گرفتار ہوگا۔ آمین''

جہانگیر کی وفات کے بعد شاہجہاں تخت نشین ہوئے ان کو بھی حضرت میاں میرؒ سے بڑی عقیدت تھی۔ شاہجہاں کے دو مرتبہ حضرت میاں میر کی خدمت میں جانے کا تذکرہ داراشکوہ نے کیا ہے۔ ایک حاضری کے متعلق لکھا ہے:

> شہاب الدین محمد شاہجہان بادشاہ نے دو مرتبہ حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں جاکر شرف ملاقات حاصل کیا۔ تو دونوں صحبتوں میں یہ فقیر موجود تھا۔ ان صحبتوں میں بہت سی لطیف اور سودمند باتیں ہوئیں۔ آپ نے کچھ نصیحتیں بھی

کیں۔حضرت میاں جیو کی صحبت نے ایسا اثر کیا کہ بادشاہ ہمیشہ کہتے تھے کہ ہم نے ترک و تجرید اور بے نیازی و بے تعلقی میں حضرت میاں جیو کی مانند کوئی درویش نہیں دیکھا۔'(5)

شاہجہاں کی دوسری ملاقات کے ضمن میں داراشکوہ نے قبولیت دعا سے متعلق ایک نہایت لطیف نکتہ لکھا ہے جو صرف عارفوں کو ہی حاصل ہوسکتا ہے۔لکھا ہے کہ:

''دوسری مرتبہ جب بادشاہ حضرت کے ہاں گئے تو یہ فقیر اور وہی لوگ جو پہلی مرتبہ ساتھ آئے تھے ہمراہ تھے بہت لطیف اور خوشگوار باتیں ہوئیں بادشاہ نے حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ توجہ فرمائیں کہ دنیا سے دل ہٹ جائے آپ نے فرمایا کہ جب آپ کوئی نیک عمل کریں جس سے مسلمانوں کا دل آسودہ ہو اس وقت اپنے لیے خود خدا سے دعا کریں اور خدا سے خدا کے سوا اور کچھ نہ مانگیں۔''(6)

داراشکوہ نے اپنے والد اور دادا سے حضرت میاں میر کے روابط کا ذکر کرنے کے بعد اپنے تعلقات کا تذکرہ کیا ہے۔داراشکوہ کو حضرت سے خصوصی عقیدت تھی حضرت کے یہاں جاتے تو برہنہ پا جاتے تھے۔حضرت کو بھی داراشکوہ سے خصوصی تعلق تھا۔اس کا تذکرہ انھوں نے خود بھی متعدد جگہ کیا ہے۔ایک جگہ لکھا ہے:

''حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ اس با اخلاص عقیدت مند مرید (داراشکوہ) کے حق میں بے حد شفقت اور بے انتہا محبت وعنایت فرماتے تھے چنانچہ ایک دن اپنے خاص یاروں،مریدوں،ملا صالح شفیع احمد،میاں حاجی بنیانی وغیرہم سے فرمایا کہ فلاں کے حق میں ہمیشہ میری توجہ رہتی ہے تم بھی ہمیشہ اس کی طرف توجہ رکھا کرو اگر اس سے روگردانی کرو گے تو خدا سے روگردانی کرو گے۔''(7)

ایک اور موقع کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''ایک دن اس فقیر کے متعلقین میں سے ایک شخص حضرت میاں جیو رحمتہ اللہ علیہ کی

خدمت میں حاضر ہوا۔حضرت کا طریقہ یہ تھا کہ جو بھی خدمت میں حاضر ہوتا اس کا نام دریافت فرماتے پھر دعا کر کے اسے رخصت کر دیتے۔ اس شخص نے کہا کہ میں فلاں (داراشکوہ) کا ملازم ہوں اگر وہ مجھ سے پوچھیں کہ حضرت نے کیا فرمایا تو میں کیا جواب عرض کروں۔فرمایا! خوب تم اس کے ملازم ہوتو بیٹھ جاؤ۔اسے اپنے قریب جگہ دے کر یہ مصرع پڑھا:

اے گل بتو خرسندم کہ تو بوئے کسے داری

یعنی اے پھول تجھے دیکھ کر میں خوش ہوں کہ تو کسی کی یعنی محبوب کی خوشبو لیے ہوئے ہے۔

اور پھر اس پر کمال مہربانی فرمائی اس نے عرض کیا کہ مجھے کچھ سکھایئے حضرت نے فرمایا ہمیشہ اپنے آقا کی صورت سامنے رکھ کر مراقبہ کیا کرو۔''(8)

داراشکوہ نے اپنی اس کتاب میں حضرت میاں میرؒ کے ساتھ اپنے نیازمندانہ روابط کا تذکرہ کئی اور جگہ بھی کیا ہے۔اسی ضمن میں انھوں نے بتایا کہ ان کی پہلی حاضری حضرت کی خدمت میں اس لیے ہوئی تھی کہ ایک مرتبہ داراشکوہ سخت بیمار ہو گئے تھے۔ بہت علاج ہوا لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا۔حضرت میاں میر کی شہرت سن کر شاہجہاں دعا کرانے کی غرض سے ان کو لے کر حضرت میاں میر کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ اس واقعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے داراشکوہ نے لکھا ہے:

''ایک مرتبہ اس فقیر (دارشکوہ) کو بیماری لاحق ہوگئی علاج کرنے سے طبیب عاجز آ گئے۔ بیماری نے چار ماہ تک طول پکڑا۔فقیر کو اب تک حضرت میاں جیو سے نیاز حاصل نہیں ہوا تھا اور انھیں پہچانتا بھی نہ تھا۔ بادشاہ مجھے اپنے ساتھ حضرت کی خدمت میں لے گئے اور کمال اخلاص اور نیاز مندی کے ساتھ التماس کی کہ اس فقیر کی شفا اور صحت کے لیے دعا فرمائیں۔ بادشاہ نے میرا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا: حضرت میاں جیو یہ میرا بڑا بیٹا آپ کا معتقد ہے۔ طبیب اس کے علاج سے عاجز آ گئے ہیں، حضور توجہ فرمائیں۔حضرت نے میرا

ہاتھ پکڑا پھر مٹی کا پیالہ جس میں خود پانی پیا کرتے تھے پانی سے بھر کر ہاتھ میں لیا۔اس پر دعا پڑھی اور پانی پینے کے لئے پیالہ اس فقیر کو دیا۔پانی پینے کے ایک ہفتے بعد میری سب بیماری جاتی رہی اور صحت ہوگئی اسی ہفتے پھر میں نے حضرت کی خدمت میں کسی کو بھیج کر کامل صحت یابی کی دعا کے لئے التماس کیا حضرت نے فرمایا ان چار دنوں میں فلاں وقت اور فلاں ساعت کامل شفا حاصل ہوجائے گی۔آپ کے ارشاد کے مطابق اسی روز اور عین اسی وقت مجھے خدا نے شفائے کامل عطا فرمائی۔''(9)

غالباً یہ وہی موقع ہے جس کا ذکر انھوں نے شاہجہاں کی پہلی ملاقات کے سلسلے میں کیا ہے۔اس حاضری کے بعد دارا شکوہ کو حضرت میاں میرؒ سے اتنی عقیدت ہوگئی تھی کہ ان کے یہاں جاتے تو ننگے پاؤں جاتے تھے۔

حضرت میاں میرؒ کے ساتھ دارا شکوہ کی دوسری ملاقات اس وقت ہوئی جب وہ حضرت کے عقیدت مند ہو چکے تھے۔اس لیے یہ ملاقات بڑی عقیدت اور نیاز مندی کے ماحول میں ہوئی۔اس کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے دارا شکوہ نے سکینۃ الاولیا میں خود لکھا ہے:

''اس مرتبہ اس فقیر کو حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں اخلاص و اعتقاد حاصل ہو چکا تھا۔جب بادشاہ اور ان کے ہمراہی حضرت کے بالا خانے کی طرف آئے تو اس فقیر نے جوتا اتار لیا اور خانہ مبارک کو وادی مقدس سمجھ کر برہنہ پا حاضر خدمت ہوا۔ بادشاہ سے باتیں کرتے ہوئے حضرت لونگ چباتے اور پھینک دیتے۔حاضرین میں سے بعض پر یہ بات گراں گزرتی لیکن یہ فقیر کمال اخلاص وارادت سے انہیں جمع کر کے کھا لیتا۔اس وقت سے اس فقیر کے دل میں دنیا سے بے تعلقی اور میاں جیو کے اس گروہ کے ساتھ اخلاص بڑھتا گیا۔ان کی برکت سے دل میں عظیم اثرات پیدا ہوئے اور جو کچھ مجھے پانا تھا، وہ گویا میں نے پالیا۔اسی برکت سے زبان کو قوت بیان حاصل ہوئی اور طبیعت موزوں ہوگئی (یعنی شاعری شروع کردی) میں امیدوار ہوں کہ

قیامت کے دن ان کے گداؤں میں شمار کیا جاؤں گا۔‘‘(10)

داراشکوہ کو حضرت میاں میر سے اتنی عقیدت ہوگئی تھی کہ اس ملاقات میں انھوں نے اپنا سر حضرت کے قدموں میں رکھ دیا (غالباً گھٹنوں پر رکھا ہوگا جس کا قرینہ یہ کہ حضرت ان کے سر پر دست شفقت پھیرتے رہے۔) اس واقعہ کے بارے میں لکھا ہے:

’’جب بادشاہ ہمراہیوں کے ساتھ حضرت سے رخصت ہوکر باہر آئے تو یہ فقیر تنہا حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گیا اور اپنا سر ان کے پائے مبارک پر رکھ دیا۔ آپ کمال بشاشت اور خوشحالی سے دست مبارک میرے سر پر پھرتے رہے گویا فقیر کے سر کو عرش معلیٰ تک پہنچا دیا اور بہت مہربانی فرما کر رخصت کیا۔‘‘(11)

داراشکوہ بعد میں حضرت میاں میرؒ کی خدمت میں خطوط بھی ارسال کرتے رہتے تھے۔ اگرچہ خود انھوں نے ایسے خطوط نقل نہیں کیے ہیں لیکن ضمناً ایک واقعہ میں اس کا تذکرہ کیا ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ باہم خط و کتابت تھی۔ لکھا ہے:

’’ایک مرتبہ حضرت اخوند میرک شیخ نے جو میرے علم ظاہر کے استاد اور عالم وعامل ہیں اور زہد و ورع اور حق گوئی میں ثابت قدم ہیں۔ حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہونے کی خواہش کی۔ میں نے عریضہ لکھ کر ان کے سپرد کیا کہ حضرت کی خدمت میں پیش کر دیں۔ حضرت اخوند نے مجھے بتایا کہ جب میں حضرت کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے مجھے اپنے پاس بٹھایا اور بڑی مہربانی سے پیش آئے۔ عریضہ میری دستار میں تھا لیکن خدمت میں پیش کرنا یاد نہ رہا۔ اسی لمحے خیال آیا کہ میں نے حضرت میاں جیو کی کوئی کرامت نہیں دیکھی۔ گفتگو کے دوران حضرت میاں جیو نے ہاتھ بڑھا کر میری دستار سے رقعہ لے لیا اور شروع سے آخر تک لفظ بہ لفظ پڑھ دیا۔ (یہ اس زمانے کی بات ہے جب حضرت کی ظاہری بصارت میں خلل آچکا تھا۔) اس کے بعد فرمایا کہ ہم یہ نہیں چاہتے تھے کہ کرامت کا اظہار کریں۔ اظہار کرامت تو اس طائفہ کے لیے سہل بات ہے۔(12)

داراشکوہ نے سکینۃ الاولیا میں اپنے بعض خواب اورصوفیانہ تصرف کے بعض واقعات بھی لکھے ہیں ان کے ذکر کی چنداں ضرورت اس لیے نہیں ہے کہ داراشکوہ کے زمانے میں اس طرح کی باتیں سند کا درجہ رکھتی تھیں اس لیے وہ کتابوں میں بھی ذکر کی جاتی تھیں۔لیکن آج کے دور میں ان باتوں کو مستند نہیں مانا جاتا۔ویسے بھی تصوف اور سلوک مذہب کے دائرے کے اندر ہےاور مذہب کی اصل ایمان بالغیب ہے۔

داراشکوہ نے حضرت میاں میرؒ کی تعریف وتوصیف میں ایک غزل نما نظم بھی لکھی ہے۔اس نظم کے بعض اشعار محل نظر ہیں، پھر بھی اس کے چند اشعار ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں۔نظم میں ہے:

دل و جانم فدائے میاں میر　　　دیدن حق لقائے میاں میر
عارفان جہاں ہمہ کردند　　　درطریق، اقتدائے میاں میر
در رہ فقر اولیائے زمان　　　شرمسار غنائے میاں میر
غم ہر دو جہاں شد از دل او　　　ہر کہ شد در سرائے میاں میر
بہترین بلاد ہندستان　　　شہر لاہور جائے میاں میر
با شکوہ سکندر و دارا
قادری خاکپائے میاں میر

(میرا دل اور میری جان میاں پر قربان ہوں،میاں میر سے ملاقات کرنا ایسا ہے جیسے حق کی زیارت کرنا۔(نعوذ باللہ)

دنیا کے تمام عارفین راہ سلوک میں حضرت میاں میر کی اقتدا کرتے ہیں۔

فقر کے راستے میں دنیا کے تمام اولیاءمیاں میر کی غنا کے سامنے شرمسار ہیں۔

اس کے دل سے دنیا کا ہر غم دور ہو جاتا ہے جو میاں کی سائے میں آجاتا ہے۔

ہندوستان کا سب سے اچھا شہر لاہور ہےاور وہی میاں میر کا مقام ہے۔

سکندر اور دارا کی شان وشوکت کے ساتھ قادری (داراشکوہ) میاں میر کے قدموں کی دھول ہے۔)(13)

دارا شکوہ نے سکینۃ الاولیا کے علاوہ اپنی دوسری کتاب سفینۃ الاولیا میں بھی حضرت میاں میر کے احوال لکھے ہیں اور اس میں مختصراً اپنے روابط کا تذکرہ کیا ہے۔ اس میں لکھتے ہیں:

> ''یہ احقر حضرت کی خدمت بابرکت میں ان کے دربار میں حاضری دے آیا ہے۔ حضرت اس نیاز مند پر خاص توجہ فرماتے تھے۔ 20 سال کی عمر میں جب مجھے بیماری نے آدبایا اور اطباء بھی اس کے علاج سے عاجز آ گئے تو میرے والد ماجد حضرت شاہجہاں میرا ہاتھ پکڑ کر حضرت کی خدمت میں لے گئے اور عرض کیا کہ میرا بڑا لڑکا ہے اور تمام اطباء اس کے علاج سے عاجز آ گئے ہیں آپ توجہ فرمائیں کہ اللہ تعالی اسے شفا مرحمت فرمائے۔ حضرت نے ایک پیالہ میں پانی منگوایا اور کچھ پڑھ کر اس پر دم کیا اور مجھے دیا۔ جب میں نے اس پر پانی پیا تو مجھے شفا ہوگئی اور بیماری صحت سے تبدیل ہوگئی۔ میں نے اپنی کتاب سکینۃ الاولیاء میں حضرت اور آپ کے خلفا کے حالات تفصیل سے لکھے ہیں اس لیے یہاں اسی پر بس کرتا ہوں۔'' (14)

حضرت میاں میرؒ کی وفات کے بعد دارا شکوہ نے حضرت کے مزار کے لیے خود نقشہ بنوایا تھا اور اپنی نگرانی میں مزار کی تعمیر کرائی تھی۔ (15) شکیل الرحمان نے اپنی کتاب دارا شکوہ میں لکھا ہے کہ مزار پوری طرح اس نقشے کے مطابق نہیں بن سکا تاہم بنوایا دارا شکوہ نے ہی تھا۔ (16)

حضرت میاں میرؒ سے دارا شکوہ کی عقیدت ہی کی بات ہے کہ جب دارا شکوہ کی اہلیہ نادرہ بانو بیگم کا انتقال ہوا تو ان کا جنازہ بھی اسی احاطہ میں دفن کروایا تھا۔ ان کا مزار آج بھی وہاں محفوظ ہے۔ (17)

دارا شکوہ کی اس کتاب میں کئی باتیں ایسی ہیں جن کو قبول کرنا ممکن نہیں۔ خاص طور وحدۃ الوجودی افکار قابل گرفت ہیں، اسی طرح بعض واقعات اور بعض قرآنی آیات کی من مانی تفسیر بھی انھوں نے کی ہے جیسے حضرت موسی علیہ السلام کے واقعہ کی جو تفسیر کی ہے وہ

تفسیر بالرائے کی بدترین مثال ہے۔کسی بھی طور اس کو قبول نہیں کیا جا سکتا۔داراشکوہ نے اور بھی کئی مقامات پر بعض قرآنی آیات کے ایسے مفہوم بیان کئے ہیں جو قابل قبول نہیں ہیں۔ ویسے داراشکوہ کو اس معاملے میں بری الذمہ تو نہیں قرار دیا جا سکتا البتہ یہ بھی حقیقت ہے کہ دنیا پرست حاملین علم دین کی کارستانیاں بھی ان سب کے لیے ذمہ دار ہیں۔حرص دنیا میں مبتلا بعض لوگوں نے قرآنی آیات کا مفہوم اسی طرح توڑ مروڑ کر پیش کرنے کی طرح ڈالی تھی اور آج بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔

تاہم ان کی یہ کتاب یعنی سکینۃ الاولیا فن سوانح نگاری کے اعتبار سے بہت اہم ہے۔داراشکوہ نے اس میں تحقیق کے اصولوں کی بڑی رعایت کی ہے۔قدیم مستند کتابوں کے حوالے بکثرت ہیں۔کم وبیش 25 کتابوں کا نام انھوں نے ذکر کیا ہے اور تقریبا 50 صوفیائے کرام کے ناموں کی صراحت کے ساتھ ان کے افکار بیان کیے ہیں۔

حضرت میاں میرؒ کے حالات کے لیے انھوں نے میاں میر کے معاصرین،خدام، خلفا،مریدین اور ان کے خاندانی عزیزوں سے معلومات حاصل کی ہیں جو اُس دور کے لحاظ سے ایک غیر معمولی بات ہے۔حالاں کہ کہیں روایات کی چھان پھٹک اور جرح وتعدیل کا پہلو کمزور ہے لیکن ایک نوجوان شہزادے کی عقیدت میں ڈوبی ہوئی اس تصنیف کے لیے اتنی رعایت تو دی جا سکتی ہے۔اس لیے کرامات وغیرہ کے باب میں یا اپنے مکاشفات وغیرہ کے سلسلے میں ان کے بیانات کو اگر نظر انداز کر دیا جائے تو یہ کتاب بڑی معیاری اور مستند ہے اور اس میں تو کوئی شبہ ہی نہیں کہ حضرت میاں میر کے حالات کا سب سے مستند ماخذ یہی کتاب ہے۔اس کتاب کو نظر انداز کر کے میاں میر کے حالات لکھے ہی نہیں جا سکتے۔

طریقہ تصنیف کے اعتبار سے بھی اس کتاب کا نمایاں مقام ہے۔اس کتاب کا اسلوب نگارش تحقیقی اور کافی حد تک تجزیاتی ہے۔ان کا اسلوب ایسا ہے کہ اگر موجودہ دور کے اسالیب تحقیق سے ان کا موازنہ کیا جائے تو اس کتاب کا اسلوب آج کے اسلوب تحقیق سے کم نہیں ہوگا۔

حواشی:

1۔ داراشکوہ:سکینۃ الاولیاء،اردو ترجمہ،مرزا مقبول بیگ بدخشانی،ناز پبلشنگ ہاوس،دہلی،بدون سنہ،ص:286-287

2۔ ایضاً ص:9

3۔ ایضاً،ص10-11

4۔ ایضاً،ص26

5۔ ایضاً،ص:37

6۔ ایضاً،ص41

7۔ ایضا86

8۔ ایضا

9۔ ایضا ص46

10۔ ایضاً،ص:67

11۔ ایضاً،ص:41

12۔ سفینۃ الاولیا ص47

13۔ دیوان اشعار،تحقیق احمد نبی خاں،تقدیم محمد حسین حیدر یان،ریسرچ سوسائیٹی آف پاکستان، لاہور،1969،ص؛114-115

14۔ داراشکوہ:سفینۃ الاولیا،مطبع نول کشور،1882،ص:70-73

15۔ میاں محمد دین کلیم قادری:تذکرہ حضرت میاں میر،ضیاء القرآن پبلی کیشن،لاہور،طبع 1986،ص:244

16۔ شکیل الرحمان:محمد داراشکوہ،

17۔ تذکرہ حضرت میاں میر،(محولہ بالا)ص:243

●●●

تصوف میں نسائی جہت

داراشکوہ اور صوفی خواتین

خواتین کے حوالے سے داراشکوہ کے یہاں کئی بڑے عجوبے موجود ہیں مثلا داراشکوہ نے اپنی اکلوتی بیوی نادرہ بیگم کے لیے تصاویر اور خطاطی پر مشتمل ایک مرقع ترتیب دیا تھا اور پھر اس کو بڑے اہتمام کے ساتھ اپنی بیوی کے نام معنون کر کے ان کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ یہ مرقع انڈیا آفس لندن میں موجود ہے اور اس پر بہت سے بڑے محققین نے کام کیا ہے۔اس کے بارے میں ایک ابتدائی تعارفی مضمون ڈاکٹر سید عبداللہ چغتائی نے لکھا تھا۔اس کے بعد مولوی محمد شفیع نے اس کے ایک حصے کا تفصیلی تعارف کرایا۔اس کتاب میں بھی اس کا اجمالی تعارف موجود ہے۔

داراشکوہ کی شخصیت کا دوسرا عجوبہ یہ ہے کہ اتنی عظیم سلطنت کا ولی عہد اور نہایت طاقت ور شہزادہ ہونے کے باوجود ان کا مزاج شاہانہ بالکل نہیں تھا، بلکہ فقیرانہ تھا۔وہ صوفیہ کے آستانوں پر حاضری دیتے اور سادھوؤں کی کٹیوں میں جا کر قیام کرتے تھے۔ان کی طاقت اور ان کی شہزادگی نے کبھی بھی سلوک و عرفان کی راہ سے ان کے قدم نہیں روکے اور نہ اس میں رکاوٹ بنی۔

داراشکوہ کی زندگی کا تیسرا بڑا کارنامہ اور ان کی شخصیت کا عجیب پہلو یہ ہے کہ انھوں نے عہد وسطی کے معاشرے کے اندر خواتین صوفیہ پر بھی کام کیا ہے۔انھوں نے

اپنی کتاب سفینۃ الاولیا میں ایک مستقل باب صوفی اور بزرگ خواتین کے احوال و معارف کے لیے مختص کیا ہے۔

سفینۃ الاولیاء میں داراشکوہ نے چار سو سے زائد صوفیہ کی سوانح حیات لکھی ہیں۔ یہ سوانح حیات کوئی تحقیق برائے تحقیق نہیں ہیں بلکہ یہ حق کی تلاش اور روحانیت کی جستجو ہیں۔ اس کتاب میں موجود شخصیات داراشکوہ کے لیے آئینہ بھی ہیں۔ وہ اپنے روحانی اضطراب اور اپنی بے چینی کے لیے ان شخصیات کے جلو میں راہ سکون و اطمینان تلاش کرتے ہیں۔ داراشکوہ کے لیے یہ کتاب دراصل تلاش ذات کا آئینہ ہے اور اسی لیے اس میں صوفیہ کے حالات تو بہت اختصار کے ساتھ بیان کیے ہیں اور بالعموم ایسے واقعات کا تذکرہ کیا ہے جو زندگی کے کسی انقلابی پہلو سے متعلق ہوں اور اس کتاب میں صرف ان لوگوں کے حالات نہیں ہیں جو تصوف کے لئے معروف ہیں بلکہ اور بھی ائمہ اور بزرگوں کے حالات ہیں۔ یعنی داراشکوہ کے لیے روحانیت کی تلاش صرف صوفیہ کے دائرے میں محدود نہیں تھی بلکہ انھوں نے ہر طرح کی عظیم شخصیات میں روحانی عظمت تلاش کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے داراشکوہ کے لیے کہ سفینۃ الاولیا دراصل سفینہ ذات کا استعارہ ہے۔ انھوں نے صوفیہ کے حالات بیان کرنے سے زیادہ اپنے احوال و واردات کو سمجھنے کی کوشش میں یہ کتاب لکھی تھی۔

سفینۃ الاولیاء میں آخری باب خواتین سے متعلق ہے۔ اس باب میں داراشکوہ نے 38 خواتین کا تذکرہ کیا ہے۔ اس باب کو انھوں نے مزید تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے حصے میں امہات المومنین کا تذکرہ ہے۔ دوسرے حصے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بنات طاہرات کا ذکر ہے اور تیسرے حصہ میں معروف معنوں میں صوفی خواتین کا تذکرہ ہے۔

سفینۃ الاولیا کے اِس آخری حصے یعنی صوفی خواتین کے حصے میں 18 خواتین کا تذکرہ کیا ہے۔ داراشکوہ نے اس حصے میں ایک طرف ان بزرگ شخصیات کے ساتھ اپنی گہری عقیدت کا اظہار کیا ہے دوسری طرف ان کی شخصیتوں میں عام انسانوں کے لیے جو

اسوہ اور نمونہ ہے اس کو بھی بیان کیا ہے۔

عہد وسطیٰ کی ایک عظیم سلطنت کے ولی عہد اور شہزادے کا صوفیہ کرام اور خواتین صوفیہ اور مقدس ہستیوں سے ایسی وابستگی اور عقیدت ایک غیر معمول بات ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ تصوف اپنی اصل میں ایک عوامی رجحان ہے اس لیے ایک شہزادے کا اس سے دل چسپی لینا اور تصوف کو اپنی شناخت کے طور پر اختیار کرنا ان کے عوامی لگاؤ کا بھی غماز ہے۔

داراشکوہ نے اس کتاب میں جن عظیم خواتین کا تذکرہ کیا ہے ان میں سے ازواج مطہرات میں حضرت خدیجہ، حضرت عائشہ، حضرت زینب، حضرت زینب بنت جحش، حضرت سودہ، حضرت صفیہ، حضرت ام حبیبہ، حضرت حفصہ، حضرت جویریہ، حضرت میمونہ اور حضرت ام سلمہ کا تذکرہ ہے۔ بنات مطہرات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چاروں بیٹیوں حضرت فاطمہ، حضرت زینب، حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنھم اجمعین کا تذکرہ کیا ہے۔ اس کے بعد دوبارہ نساء عارفات کا عنوان قائم کیا ہے۔ اس میں حضرت زایدہ، حضرت شعوانہ، حضرت عفیرہ، حضرت رابعہ بصریہ، حضرت نفسہ، حضرت فاطمہ، حضرت تحفہ، حضرت ام عیسیٰ، حضرت ام محمد، حضرت آمنہ الواحد، حضرت امۃ الاسلام، حضرت میمونہ الواعظ، حضرت خدیجۃ الواعظ، حضرت ام محمد، حضرت کریمہ المروزیۃ، حضرت فاطمہ الواعظ، حضرت فاطمہ اور بی بی جمال رحمھم اللہ تعالیٰ علیھم کا تذکرہ ہے۔

حضرت بی بی جمالؒ حضرت میاں میر قادریؒ کی ہمشیرہ تھیں، ان کا تذکرہ سکینۃ الاولیا میں بھی کیا گیا۔ مضمون تقریباً ایک ہی ہے اس لیے یہاں سکینۃ الاولیا کی عبارت نقل نہیں کی گئی ہے۔

داراشکوہ نے اپنی یہ تصنیف سفینۃ الاولیا اپنے مزاج کے مطابق نہایت تحقیق و جستجو کے بعد لکھی ہے۔ اس کتاب کی بیشتر معلومات مستند اور معروف تذکروں سے لی گئی ہیں۔ خاص طور پر عبدالرحمٰن جامیؒ کی کتاب نفحات الانس کو انھوں نے اپنا مصدر بنایا ہے جو صوفیہ کا ایک نہایت مستند تذکرہ ہے۔ خواتین صوفیہ کے تذکرہ کے لیے بھی داراشکوہ نے

بالعموم نفحات الانس ہی پر اعتماد کیا ہے۔

تصوف میں خواتین صوفیہ کی روایت تو شروع سے رہی ہے لیکن پہلے یہ روایت اتنی معروف نہیں تھی۔ عہد وسطی میں ویسے بھی خواتین کو ایک مقتدیٰ اور پیشوا یا اسوہ ونمونہ کے طور پر نہیں دیکھا جاتا تھا۔ لیکن داراشکوہ نے خواتین کو ایک اسوہ اور مثالی شخصیات کے طور پر دیکھا۔ داراشکوہ نے ان خواتین کے جو واقعات بیان کیے ہیں اور زندگی کے میدان میں ان کی خدمات کا ذکر کیا ہے اس سے کم از کم یہ تو اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ داراشکوہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ عورت ان کاموں کو انجام دے سکتی ہے۔

داراشکوہ نے جن خواتین کا تذکرہ کیا ہے اان میں ایک حضرت شعوانہؒ ہیں۔ حضرت شعوانہؒ کے اسوہ کے ذریعے انھوں نے اس کا اثبات کیا ہے کہ عورت بھی دعوت اور وعظ وارشاد کی عوامی خدمت انجام دے سکتی ہے۔ اس کا مقام صرف گھر کی چہار دیواری کے اندر نہیں ہے بلکہ وہ روحانیت کی دنیا میں بھی اپنی منزل تلاش کر سکتی ہے اور اس تلاش وجستجو کے سارے تقاضے پورے کر سکتی ہے یعنی وہ مرید بھی بن سکتی ہے اور مرشد ورہنما بھی بن سکتی ہے۔ وہ مردوں کی محفل میں وعظ بھی کہہ سکتی ہے اور خود بھی ان کی محفل میں جا سکتی ہے اور دوسرے مرد اہل اللہ بھی اس کی خدمت میں حاضر ہو سکتے ہیں۔ سفینۃ الاولیاء میں حضرت شعوانہؒ (متوفی: 175ھ مطابق) کے بارے میں لکھا ہے کہ:

> ''وہ عجم کی رہنے والی تھیں۔ ابلہ میں قیام پذیر تھیں۔ خوش آواز تھیں اور وعظ بھی بہت اچھا کہتی تھیں۔ عابد، زاہد اور عارف ان کی مجلس میں آتے تھے۔ چونکہ وہ بہت روتی تھیں اس لیے لوگ ان سے کہتے تھے کہ آپ کے رونے سے خطرہ ہے کہ آپ اندھی نہ ہو جائیں۔ آپ فرماتی کہ دنیا میں اندھا ہونا اس سے بہتر ہے کہ آخرت میں عذاب آخرت کے ذریعہ اندھی ہو جاؤں ان کا ایک مشہور مقولہ ہے کہ کوئی آنکھ محبوب کے دیدار کی مشتاق ہو اور اس میں آنسو نہ ہوں، ایسا نہیں ہو سکتا۔ حضرت فضیل بن عیاض بھی ان کی خدمت میں آتے اور ان سے دعا کے لیے کہتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت فضیل نے دعا کے لیے کہا تو

انھوں نے فرمایا کہ کیا آپ کے اور خدا کے درمیان کوئی ایسا تعلق ہے کہ میں آپ کے لیے دعا کروں اور وہ قبول ہوجائے؟ حضرت فضیل یہ سن کر چیخ پڑے اور بے ہوش ہوگئے۔''(1)

اسی طرح ایک اور عظیم خاتون حضرت رابعہ بصریہ علیہ الرحمہ گزرے ہیں۔ حضرت رابعہؒ کی عظمت کا عالم یہ ہے کہ جب بھی تصوف کے حوالے سے خواتین کا ذکر ہوتا ہے تو سب سے پہلے ان کا ہی نام ذہن میں آتا ہے۔ ان کے بارے میں داراشکوہ نے لکھا ہے کہ:

''ابوسفیان ثوریؒ (بہت بڑے محدث اور فقیہ) ان سے مسائل دریافت کرتے تھے اور ان سے دعا کرانے کے امیدوار رہتے تھے۔'' انہی کے بارے میں لکھا ہے کہ ''ایک شخص ان کی خدمت میں آیا اس نے دیکھا کہ ان کے کپڑے پھٹے ہوئے ہیں۔ اس نے عرض کیا کہ آپ کے خدام تو کثرت سے ہیں کسی کو حکم دیجیے آپ کے لیے اچھے کپڑے فراہم کردے۔ حضرت رابعہ نے جواب دیا کہ مجھے غیر سے سوال کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔''

حضرت رابعہؒ کے بارے میں یہ بھی لکھا ہے کہ جب ان کی وفات کا وقت قریب ہوا تو بڑی تعداد میں صوفیہ، علما اور مشائخ ان کے پاس جمع ہوگئے۔ کچھ دیر کے بعد حضرت رابعہ نے فرمایا کہ اب آپ لوگ باہر چلے جائیں اللہ کے فرستادے آرہے ہیں۔ چناں چہ لوگ باہر چلے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد اندر سے قرآن کی ایک آیت پڑھنے کی آواز آئی جس کا مطلب ہے 'اے نفس مطمئنہ تو اپنے رب کی طرف لوٹ جا اس حال میں کہ خدا تجھ سے راضی ہے اور تو خدا سے راضی ہے۔ پس میرے بندوں میں داخل ہوجا اور میری جنت میں داخل ہوجا'۔ جب لوگوں نے یہ آواز سنی تو اندر گئے لیکن اس وقت تک حضرت رابعہ کا انتقال ہو چکا تھا۔(2)

ایک عظیم صوفی اور محدث خاتون حضرت نفیسہ تھیں۔ داراشکوہ نے ان کے ذکر میں ان کی عظمتوں کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''وہ حدیث کی بہت بڑی امام تھیں اور ان کے زمانے کے بڑے بڑے علما بھی

ان سے حدیث پڑھنے جاتے تھے۔فقہ کے چار اماموں میں سے ایک امام یعنی حضرت امام شافعی بھی جب مصر گئے تو ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے حدیث پڑھی۔وہ مصر میں اتنی مقبول شخصیت تھیں کہ جب ان کا انتقال ہو گیا تو ان کے شوہر نے خواہش کی کہ ان کی میت کو مدینہ لا کر دفن کریں، لیکن اہل مصر نے جمع ہو کر ان سے درخواست کی اور ان کو راضی کیا کہ اس عظیم محدثہ کا جنازہ مصر میں ہی دفن کیا جائے۔ان کا انتقال 208ھ میں رمضان المبارک کے مہینے میں ہوا تھا۔'' (3)

داراشکوہ کے اس واقعہ کے اندراج سے دو باتیں بالکل واضح ہو جاتی ہیں کہ ایک یہ کہ ان کی نظر میں ایک عورت اتنی عظیم محدثہ ہو سکتی ہے کہ اپنے وقت کا امام بھی ان کا شاگرد ہو۔ دوسری بات یہ کہ وہ عورت ہونے کے باوجود مردوں کو پڑھاتی تھیں اور عوام میں اتنی مقبول تھیں کہ لوگوں نے ان کے جنازے کو مصر کے باہر نہیں جانے دیا۔ گویا وہ ہر دور کی عورتوں کے لیے ایک نمونہ تھیں۔

داراشکوہ نے حضرت تحفہؒ کے حالات بہت تفصیل سے لکھے ہیں۔حضرت تحفہ کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ حضرت سری السقطی کے عہد میں تھی اور وہ باندی تھیں۔عشق الٰہی میں دیوانی ہو گئی تھیں اس لیے ان کا مالک ان کو باندھ کر رکھتا تھا۔ایک مرتبہ ادھر سے سری السقطیؒ کا گزر ہوا، حضرت سریؒ سے اس کی گفتگو ہوئی۔حضرت سریؒ کو ان کے مقامات کا احساس ہوا تو حضرت سری نے اپنے دوست کے ذریعہ اس کو خرید کر آزاد کرنا چاہا لیکن اس دوران خود مالک کو بھی ان کے مقامات کا احساس ہو گیا تھا اس لیے اس نے خود ہی ان کو آزاد کر دیا تھا اور وہ ان سے اتنا متأثر ہو گیا تھا کہ اس نے اپنا گھر بار، مال و دولت سب غریبوں میں تقسیم کر دیا اور خود بھی تصوف کا راستہ اختیار کر لیا۔(4)

حضرت فاطمہ نیشاپوریؒ بھی اپنے وقت کی ایک عظیم صوفی اور عالمہ گزری ہیں۔ان کے بارے میں بھی داراشکوہ نے بڑے تعریفی کلمات لکھے ہیں وہ قرآن کی بھی بڑی عالم تھیں اور تفسیر قرآن کا درس دیا کرتی تھیں۔ان کا تفسیر بیان کرنے کا انداز بہت اچھا تھا ان

کے تفسیر کے درس میں مرد اور عورت دونوں شریک ہوتے تھے۔
دارا شکوہ نے لکھا ہے کہ:

''حضرت فاطمہ نیشاپوری مکہ مکرمہ میں کعبہ کی مجاور اور خادم تھیں۔ کبھی کبھی بیت المقدس کی زیارت کے لیے بھی جاتی تھیں۔ سلطان العارفین حضرت بایزید آپ کی بے حد تعریف کیا کرتے تھے۔ وہ فرماتے تھے کہ میں عمر بھر میں صرف ایک عورت اور مرد کو ہی دیکھا ہے جو میری نظر میں کامل تھے۔ عورتوں میں جس کو صاحب کمال پایا وہ فاطمہ نیشاپوری ہیں۔ کسی مقام پر کوئی بات ہو وہ آپ پر منکشف ہو جاتی تھی۔ مشائخ میں سے کسی کی ملاقات حضرت ذوالنون مصری سے ہوئی انھوں نے ان سے دریافت کیا کہ آج کے دور میں سب سے بزرگ کون ہے؟ فرمایا کہ مکہ میں ایک عورت ہے جسے فاطمہ نیشاپور کہتے ہیں۔ وہ قرآن مجید کی تفسیر اور اس کے حقائق و معارف کا بیان اس خوش اسلوبی سے کرتی ہیں کہ مجھے ان پر رشک آتا ہے۔ یعنی وہ سب سے بزرگ ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ ایک دن حضرت فاطمہ نے شیخ ذوالنون مصری کے لیے کوئی چیز بطور نذرانہ بھیجی، انھوں نے فرمایا کہ عورتوں سے ہدایا و تحائف قبول کرنا ذلت و نقصان کا باعث ہے۔ حضرت فاطمہ نے فرمایا کہ کوئی صوفی اتنا بلند نہیں ہوا کہ سبب اور واسطہ سے بلند ہو کر دیکھ سکے۔(5)

حضرت ذوالنون مصری علیہ الرحمۃ کی تعریض اس دور کی ہوگی جب وہ حضرت فاطمہؒ کے مقامات ان پر منکشف نہ ہوئے ہوں گے۔ بعد میں جب ان کو انکے مقامات کا علم ہوا تو ان کے عقیدت مند ہو گئے۔

دارا شکوہ نے ایک ایسی صوفی خاتون کا بھی تذکرہ کیا ہے جو قانون اور فقہ کی ماہر تھیں اور باضابطہ فتوی دیا کرتی تھیں۔ ان کا نام ام عیسیٰؒ تھا۔ ان کے بارے لکھا ہے کہ 'حضرت ام عیسی بڑی عارفہ تھیں اور فقہ کی ماہر تھیں۔ ان کا انتقال 328ھ میں ہوا۔(6)

ایک اور خاتون صوفی جن کا نام ستیتہؒ تھا ان کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ حضرت ستیتہؒ ام احد کے نام سے مشہور تھیں۔ وہ فقہ اور ریاضی یعنی میتھ میٹکس کی ماہر تھیں اور علم میراث میں

بھی ان کو کمال حاصل تھا۔ یعنی وہ علم دین اور علم دنیا دونوں میں مہارت رکھتی تھیں۔ 377ھ میں ان کا انتقال ہوا۔(7)

داراشکوہ نے ایک اور صوفی خاتون امۃ الاسلامؒ کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ خود تو محمد بن اسمٰعیل بصلائیؒ کی شاگرد تھیں اور حضرت تنوخی، حضرت زاہدی اور حضرت ابوعلی ان کے شاگرد تھے۔(8) یعنی انھوں نے ایک مرد سے علم حاصل کیا تھا اور متعدد مردوں نے ان کی خدمت میں رہ علم حاصل کیا تھا۔

بعض اور بھی صوفی خواتین کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ یا تو مرد صوفیہ کی مرید تھیں یا مرد صوفیہ ان کے مرید تھے۔ اسی طرح بعض صوفی خواتین کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ عوامی مقامات پر تقریریں کرتی تھیں اور وعظ کہا کرتی تھیں۔ اسی طرح بعض صوفی خواتین کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ عوامی جگہوں پر اشعار گاتی تھیں اور لوگ ان کو سنتے تھے۔ راہ سلوک کے ماہرین اور عارفین پر ان اشعار کے اثرات بھی ہوتے تھے۔ یہ اشعار عام طور پر عشق الٰہی کی کیفیات سے سرشار ہوتے تھے۔(9)

داراشکوہ نے عہد وسطیٰ کے معاشرے میں حضرت شعوانہؒ اور اس دور کی دیگر صوفی خواتین کے جو حالات لکھے ہیں وہ ان کی نظر میں نسائی جہت کے نئے گوشوں کی طرف رہنمائی کرتے ہیں کہ صوفی خواتین کی مجلس میں مرد صوفیہ کا آنا، ان کا وعظ سننا، ان سے دعا کی درخواست کرنا اور ان کے ملفوظات کو نقل کرنا، یہ بغیر اختلاط کے نہیں ہوسکتا اور داراشکوہ کے عہد میں یہ اختلاط کسی مقام پر ممکن نہیں تھا۔

داراشکوہ نے اس طرح کئی خواتین کا تذکرہ کیا ہے جو اپنے وقت کی جید عالم اور صوفی تھیں ان کے فضل و کمال کو سب تسلیم کرتے تھے۔ ان میں سے کچھ ایسی تھیں جو باضابطہ مردوں سے مرید تھیں اور کچھ ایسی تھیں جن کے مرید بھی مرد تھے۔ کچھ ایسی بھی تھیں جو صرف عورتوں میں ہی کام کرتی تھیں۔ غرض داراشکوہ نے اس کتاب کے اندر یہ بتایا ہے کہ عہد وسطی میں بھی خواتین کا معاشرے میں ایک مستقل کردار تھا۔

سفینۃ الاولیا میں داراشکوہ نے جس طرح مرد حضرات میں روحانی عظمت کی

روایت کوعہد نبوی سے لے کر اپنے زمانے تک لکھا ہے اسی طرح خواتین کی روحانی عظمت کی روایت کو بھی عہد نبوی سے لے کر اپنے زمانے تک لکھا ہے یعنی ان کی نظر میں خواتین کی عظمت محض کوئی تاریخ کردار نہیں تھیں تھا بلکہ معاشرے کا جزو لاینفک تھا اور تاریخ کے پورے دورانیے میں جاری رہا۔ حتیٰ کہ اس کتاب کی تصنیف کے وقت میں بھی حضرت میاں میر کی ہم شیرہ حضرت بی بی جمال اس گروہ کی نمائندگی کرتی تھیں۔

داراشکوہ نے اس کتاب کے آخر میں اپنے روحانی مرشد حضرت میاں میر قادریؒ کی بہن بی بی جمالؒ کا تذکرہ کیا ہے۔ حضرت بی بی جمال کی کچھ کرامات کا ہی ذکر ہے۔ ان کی خدمات کا زیادہ تذکرہ نہیں کیا۔ حضرت بی بی جمال 1049ھ یعنی اس کتاب کے لکھے جانے تک باحیات تھیں۔ (10)

داراشکوہ نے اس کتاب میں ایک اہم کام یہ کیا ہے کہ اکثر خواتین کی تاریخ وفات بھی دی ہے۔ اس سے ان کے زمانے کا تعین آسان ہو جاتا ہے۔ ابوعبدالرحمٰن السلمی نے بھی تاریخ وفات کا زیادہ اہتمام نہیں کیا ہے۔ البتہ علامہ جامی بعض خواتین کی تاریخ وفات دیتے ہیں۔

داراشکوہ نے صوفی خواتین کا تذکرہ لکھ کر ایک اہم خدمت انجام دی ہے انھوں نے اس کتاب کے ذریعے یہ پیغام بھی دیا ہے کہ خواتین کے لیے جس طرح روحانی عظمت کا حصول ایک تاریخی روایت ہے یعنی عہد نبوی سے قائم ہے اسی طرح اس کے مواقع آج بھی موجود ہیں۔

●●●

حواشی:

1۔ داراشکوہ:سفینۃ الاولیا،مطبع نامی،نول کشور،کان پور،طبع1882 ص:207

2۔ ایضا

3۔ ایضاً،ص:209

4۔ ایضاً،ص:212-209

5۔ ایضاً،ص:209

6۔ ایضاً،ص:213-212

7۔ ایضاً،ص:213

8۔ ایضا

9۔ ایضاً،ص:214

10۔ ایضاً،ص:215

●●●

داراشکوہ کی صوفیانہ شاعری

شہزادہ محمد داراشکوہ فارسی زبان کے بہت اچھے شاعر تھے۔ ان کا ایک مکمل دیوان موجود ہے۔اس دیوان میں کئی طرح کی اصناف سخن میں طبع آزمائی کی گئی ہے۔تاہم ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ فطری طور پر شاعر نہیں تھے بلکہ جب وہ راہ سلوک کی طرف متوجہ ہوئے تو مضامین عشق حقیقی اور لطیف کیفیات نے ان کی طبیعت میں موزونیت پیدا کردی۔ اس طرح داراشکوہ شعرا کی صف میں شامل ہوگئے۔انھوں نے خود بھی ایک مقام پر اس کا اعتراف کیا ہے کہ ان کو شاعری کا ذوق حضرت میاں میرؒ کی خدمت میں حاضر ہونے کے بعد ہوا تھا۔(1)

داراشکوہ اعلی پائے کے نثر نگار تھے،نثر نویسی میں ان کو غیر معمولی قدرت حاصل تھی۔ جب طبیعت شاعری کی طرف مائل ہوئی تو شاعری کے میدان میں بھی انھوں نے نمایاں مقام حاصل کرلیا۔

داراشکوہ کی شاعری مکمل طور پر صوفیانہ شاعری ہے۔انھوں نے شاعری میں استعارات وتلمیحات کا پیرایہ کم استعمال کیا ہے۔ بلکہ ان کے کلام میں خاصا حصہ تصوف کی اصطلاحات سے بوجھل ہے۔داراشکوہ کو مروجہ شاعری کے پامال موضوعات یعنی عشق و محبت کی واردات کے بیان سے زیادہ دلچسپی نہیں تھی۔انھوں نے شاعری بھی شعر گوئی کے لیے نہیں کی، بلکہ انھوں نے اپنی ذاتی واردات و کیفیات اور کشف و مشاہدات کے اظہار کے لیے کی تھی،جن کا بیان وہ بڑے منطقی انداز میں کرتے ہیں۔

داراشکوہ کی شخصیت بڑی غیر معمولی ہے،ان کے علم و دانش پر بہت سے کام ہوئے ہیں۔لیکن ان کی شاعری پر ابھی کوئی قابل ذکر کام نہیں ہوا ہے۔اہل شعر و ادب نے ان کے کلام سے اس لیے اعتنا نہیں کیا کیوں کہ شعرا کے یہاں اصل کمال تخیل سمجھا جاتا ہے۔ اس لیے کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

زیادہ ہے نزدیک اہل قیاس
سخن بولنے تے سخن کا قیاس

جب کہ داراشکوہ کے یہاں تخیل اور گلشن نا آفریدہ کی بات شاذ و نادر ہی ہوتی ہے وہ تو صوفیہ کے افکار کا صاف الفاظ میں بیان کرتے ہیں،ان کے کلام میں تخیل کی کارفرمائی زیادہ نہیں ہے۔

قدیم تذکرہ نگاروں نے بھی داراشکوہ کے کلام پر زیادہ گفتگو نہیں کی ہے۔دو ایک جگہ معمولی سے تبصرے مل جاتے ہیں جیسے عہد عالم گیری کے ایک تذکرہ نگار محمد افضل سرخوش نے لکھا ہے ''طبعی بلند و ذہن رسا داشت،مطالب صوفیہ را در رباعی و غزل منظوم می کرد'' یعنی شاعری میں ان کی طبیعت بلند تھی اور ذہن رسا کے حامل تھے صوفیانہ افکار کو رباعی اور غزل میں خوب بیان کیا ہے۔(2)

مفتی غلام سرور لاہوری نے بھی داراشکوہ کی قادرالکلامی کے بارے میں کلمات تحسین لکھے ہیں۔وہ لکھتے ہیں ''نظم و نثر میں ان کو کمال مہارت حاصل تھی اور اپنے خیالات کو بڑی خوبی اور آزادی کے ساتھ بیان کرتے تھے۔''(3)

داراشکوہ کے دیوان کا نام مفتی غلام سرور نے اکسیر اعظم لکھا ہے۔لیکن مطبوعہ دیوان پر یہ نام نہیں ہے ہوسکتا کہ اصلی نام اکسیر اعظم ہی رہا ہو۔(4)

محمد افضل سرخوش کے علاوہ ایک اور تذکرہ نگار آفتاب رائے لکھنوی نے تذکرہ ریاض العارفین میں داراشکوہ کا ذکر کیا ہے لیکن ان کے کلام پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔صرف دو شعر نقل کر دیے ہیں۔(5) ان کے علاوہ شاید ہی کسی اور تذکرہ نگار نے ان کے کلام پر تبصرہ کیا ہے۔ان کے مطبوعہ دیوان کے محقق نے جو خود بھی فارسی کے بڑے شناور ہیں،ان کے

کلام پر کوئی قابل ذکر تبصرہ نہیں کیا۔ بکرما جیت حسرت نے البتہ ان کی شاعری پر تبصرہ کیا ہے۔ لیکن ان کے تبصرے کا محور ان کی شاعری نہیں ہے بلکہ ان کی شاعری کے موضوعات ہیں۔

مولانا سید صباح الدین عبدالرحمٰن نے اس دیوان کے ایک ایسے نسخے کا بھی تذکرہ کیا ہے جو شاعر کے عہد کا ہے۔ اس میں 143 غزلیں اور 28 رباعیاں ہیں۔

راقم الحروف کے پیش نظر داراشکوہ کا مطبوعہ دیوان ہے اس دیوان میں 215 غزلیں اور 148 رباعیات ہیں اور یہ دیوان 224 صفحات پر مشتمل ہے۔

داراشکوہ کی شاعری میں قلبی واردات کے مقابلے میں ان کے افکار و نظریات کو زیادہ جگہ ملی۔ شاعری میں تخیل کی پرواز ادائے معنی کے نئے جہان دکھاتی ہے۔ لیکن داراشکوہ کے یہاں اس کا بڑی حد تک فقدان ہے۔ غالبا اسی لیے ان کے اشعار میں وہ روانی نہیں ہے جو مقبولیت کے لیے ضروری ہے۔

داراشکوہ نے اپنی شاعری میں وحدت الوجودی نظریات کو بیان کیا ہے۔ بعض اوقات وہ ان تصورات کو ایسے واضح اور صاف الفاظ میں نقل کرتے ہیں کہ ان کو بیان کرنا یا نقل کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ متعدد مقامات پر ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کسی غالی وحدۃ الوجودی صوفی کی کوئی عبارت نقل کر دی ہو۔

دارشکوہ کا جو کلام دستیاب ہے اس کی روشنی میں یہ بات تو اعتماد کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ اظہار بیان پر ان کو غیر معمولی قدرت حاصل ہے۔ انھوں نے تصوف کے دقیق مسائل کو نہایت سہل انداز میں باندھا ہے۔ اگر وہ غزلیہ شاعری کرتے تو ہوسکتا ہے کہ تخیّل بھی ان کا ساتھ دیتا اور وہ اپنے وقت کے نمائندہ شعرا میں ہوتے۔

داراشکوہ کی شاعری پر تبصرہ کرنے سے پہلے یہ ذکر کرنا ضروری ہے کہ داراشکوہ خود شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے سخن فہم تھے۔ ان کے دربار میں بہت سے شعرا کو بھی بار حاصل تھا۔ شیخ سرمد اور محسن فانی کے ساتھ ان کی دوستی کی ایک وجہ تصوف اور عرفان ہے۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی یقیناً ہو گی کہ وہ دونوں بہت اچھے شاعر بھی تھے اور شیخ سرمد تو اپنے

وقت کے سر آمد روز گار رباعی گو تھے۔ اس لیے بھی داراشکوہ سے ان کی دوستی ہوگی۔ ان کے علاوہ داراشکوہ کے دربار میں ایک اہم شاعر مرزا رضی دانش تھے۔ بکر ماجیت حسرت نے لکھا ہے کہ مرزا رضی دانش کی ایک غزل پر داراشکوہ نے ایک لاکھ روپیے کا انعام دیا تھا۔ (6) محمد افضل سرخوش نے اس کا اظہار کیا ہے کہ داراشکوہ رضی دانش کی بڑی قدر کرتے تھے۔ رضی دانش کا ایک شعر ہے:

تاک را سیراب کن اے ابر نیساں در بہار
قطرہ تا مے می تواند شد چرا گوہر شود

(اے برسنے والے بادل فصل کو سیراب کر، اگر قطرہ شراب ہوسکتا ہو (سیرابی کرسکتا ہو) تو پھر گوہر کیوں بنے۔)

داراشکوہ نے اس شعر کو طرح کا شعر قرار دے کر اس پر دوسرے شعرا سے گرہ لگوائی اور اپنے مزاج کے مطابق خود بھی اس پر گرہ لگائی جو یہ ہے:

سلطنت سہل است خود را آشنائے فقر کن
قطرہ تا دریا تنواند شد چرا گوہر شود

(یعنی حکومت کرنا تو آسان کام ہے خود کو فقیری میں گم کرو، اگر قطرہ دریا بن سکتا ہو تو پھر گوہر کیوں بنے۔)

مرزا رضی دانش کے علاوہ بھی ان کے دربار میں بہت سے شاعر تھے۔ ان کا دربار لٹ گیا اس لیے بعد میں ان کے متوسلین نے بھی ان کے ساتھ اپنی پہچان گم کی ہوگی، پھر بھی تذکروں میں شیخ سرمد اور محسن فانی کے علاوہ ایک شاعر میر محمد علی ماہر کا ذکر کیا ہے جو ان کے ساتھ قریبی نسبت رکھتے تھے۔ بلکہ داراشکوہ نے ان کو مرید خان کا خطاب بھی دیا تھا۔ اس کا تذکرہ انھوں نے اپنے ایک شعر میں اس طرح کیا ہے:

کردہ بارادت انتخابم
بخشی مرید خاں خطابم

(آپ نے مریدی کے لیے میرا انتخاب کرلیا اور میرا نام مرید خاں رکھ دیا۔)

میر محمد علی ماہر کے بارے میں سرخوش نے غیر معمولی کلمات تحسین لکھے ہیں۔ داراشکوہ کے کاتب چندر بھان برہمن نے ان کا قطعہ تاریخ وفات بھی لکھا تھا۔(7)

مغل دربار میں شعرا کی تو کوئی کمی کبھی نہیں رہی۔ بھلا داراشکوہ کے یہاں کیوں رہتی۔ داراشکوہ تو اس وقت خود بھی شاعری کا ایک موضوع تھے۔ان کے خود کے بارے میں،ان کی اولاد کے بارے میں اور داراشکوہ کی بنائی ہوئی عمارتوں کے بارے بہت سے قصائد موجود ہیں،اس لیے ان کے دربار میں تو شعرا کی ایک تعداد یقیناً تھی اور ان سب سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ داراشکوہ کو بھی شعر وسخن اور شعرا سے لگاؤ تھا۔

داراشکوہ جب خود بھی شاعری کرنے لگے تو ان کے متوسلین شعرا میں بھی اضافہ ہوا ہوگا۔ جہاں تک داراشکوہ کی خود کی شاعری کا تعلق ہے تو جیسا کہ پہلے ذکر ہوا ان کی شاعری کا بڑا حصہ صرف صوفیہ کے افکار کو نظم کرنے سے عبارت ہے۔

داراشکوہ کی مدحیہ غزلیں بہت عمدہ ہیں اگر چہ ان میں وحدۃ الوجود کی بو باس موجود ہے لیکن پھر بھی ان میں عظمت باری عز اسمہ کا بیان بہت لطیف انداز میں ہے۔ جیسے ان کی ایک غزل ہے:

اے تو اندر ہر جمالی رونما — وے تو اندر ہر لباسی آشنا
اے بہر جا حسن خوبت جلوہ گر — اے فتاد شور حسنت جا بجا
آنکہ ہر کس دید سوئے روئے تو — چشم خود پاشید او از ما سوا
ہر قدر لب بستہ ام از گفتگو — ہست آواز تو اندر ہر صدا
ہر کہ فانی گشت اندر ذات تو — ذات خود را یافت دائم در بقا
ہستی اندر ذات یکتائی جہاں — از صفت لیکن شدی ہر جا جدا

قادری جز تو نداند ہیچ چیز
اول و آخر ہمی داند ترا

(اے وہ ذات کہ ہر جمال میں تیرا ہی جلوہ ہے اور ہر لباس میں تیرا ہی روپ ہے۔

اے وہ ذات کہ ہر جگہ صرف تیرا ہی حسن جلوہ کناں ہے اور اے ذات جس کے حسن کا ذکر جا بجا ہے۔

اے وہ ذات کہ جس کسی نے بھی تیرا جلوہ دیکھ لیا پھر وہ ہر طرف سے نظر پھیر کر تیرا ہی ہو جاتا ہے۔

میں نے جس قدر اپنے ہونٹ بند رکھے کہ بات نہ کر سکوں لیکن تیری آواز تو ہر آواز کے اندر موجود ہے۔

اے وہ ذات کہ جو کوئی بھی تیری ذات کے اندر گم ہو گیا اس نے اپنی ذات کو ہمیشہ بقا کے اندر پا لیا۔

تو اپنی ذات یکتائی میں تو ہر طرح سے منزہ ہے لیکن اپنی حالت تنزیہہ میں ہر جگہ جدا ہے۔

یہ قادری (داراشکوہ) تیرے سوا کسی چیز کو نہیں جانتا اول و آخر تجھی کو جانتا ہے۔)

حمدیہ شاعری ان کے کلام میں بہت ہے اور اس طرح کے معانی ومفاہیم ان کے کلام بکھرے ہوئے ہیں بلکہ داراشکوہ کا کلام پڑھتے ہوئے یہ احساس ہمہ وقت طاری رہتا ہے کہ جو بات ابھی گزری اگلے شعر میں بھی وہی بات ہے صرف پیرایہ اظہار جدا ہے۔

صوفیہ کے افکار میں انھوں نے سب سے زیادہ وحدۃ الوجود کے مفاہیم کو نظم کیا ہے۔ چند اشعار بطور نمونہ نقل کیے جاتے ہیں، مثلاً داراشکوہ کا ایک مشہور شعر ہے:

ہر سو کہ نظر کنی ہمہ اوست
وجہ اللہ عیانست رو برو را

(جس طرف بھی دیکھو گے صرف وہی ہے، روبرو کے لیے وجہ اللہ پوری طرح عیاں ہے۔)

ایک رباعی میں توحید وجودی کو اس طرح بیان کیا ہے:

توحید خموشی است وفکر است مدام　　بحث آمد و شد ز دست توحید تمام
یک گفتن تو عین دوئی ثابت کرد　　توحید رود ز نقطہ چوں گیری نام

(توحید خاموشی اور مسلسل غور وفکر کا نام ہے، جہاں بحث شروع ہوئی تو توحید کا مقام ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔
تجھ کو ایک کہنا بھی دو ثابت کرنا ہو گیا اس لیے جب بھی نام لو گے تو توحید ہاتھ سے نکل جائے گی۔)

بظاہر یہ خیالات کسی واردات قلبی کا اظہار نہیں ہیں بلکہ یہ دیگر صوفی شعرا اور وحدۃ الوجود کو عین حقیقت ماننے والے صوفیہ کے افکار ہیں جن کو داراشکوہ نے نظم کا جامہ پہنایا ہے۔ان کی اسی طرح ایک غزل یہ ہے:

نیست چیزی بجز خدا موجود　　خواہ اندر خفا و خواہ شہود
پس نہ گوید کرا تواں گفتن　　گرچہ کافر بود و گرچہ جہود
ہیچ جائے رخ نگارتو　　در نظر آمدت کہ خوش نمود
ہر بدی کو ترا بچشم آید　　بدی خود بداں کہ خواہد بود
تا بدی ہائے خود نہ سازی دور
کہ بیائی چوں قادری مقصود

(خدا کے سوا کوئی چیز موجود نہیں ہے، نہ ظاہر میں اور باطن میں۔
پس وہ کچھ نہیں کہہ سکتا چاہے وہ کافر ہو یا منکر۔
کسی بھی جگہ تیرا حسین چہرا نظر میں آجائے تو خوش کر دیتا ہے۔
جو بھی بدی تم کو اپنی آنکھ سے نظر آتی ہے بدی تم ہی تو کہتے ہو (ورنہ وہ وہ بدی نہیں ہے)
جب تک اپنی برائیوں کو دور نہیں کرلو گے تو اپنے مقصود تک کیسے پہنچ سکتے ہو۔)

ایک اور غزل میں اسی مفہوم کو دوسرے انداز میں اس طرح باندھا ہے:

بے حجاب و بے نقاب است آفتاب ابر و ہمت مر ترا گشتہ نقاب
چیز دیگر کی حجاب او شود روئے خود را خود مگر باشد حجاب
ہر چہ بینی غیر اوز آں وہم تست غیر اور دادہ وجودی چوں سراب
بحر لامحدود ذات واحد است من وتو چوں نقش و چوں موجی بر آب
قادری تا عین دریا گشتہ است
گشتہ فارغ از عذاب و از ثواب

(سورج تو بے حجاب اور بے نقاب سامنے ہے، تیرے لیے تیرا حوصلہ اور بادل نقاب بن جاتے ہیں۔
کوئی دوسری چیز اس کے لیے حجاب کیسے بن سکتی ہے، اپنے چہرے کے لیے اپنا چہرہ ہی حجاب ہوتا ہے کہیں۔
اس کے سوا تم جو کچھ بھی دیکھتے ہو وہ صرف تمہارا وہم ہے، اس کے سوا جو بھی وجود ہے وہ محض سراب کی مانند ہے۔
اس کی ذات واحد ایک بحر ناپیدا کنار ہے، میں اور تو تو اس طرح ہیں جیسے پانی کے اوپر کا نقش یا پھر پانی کی موج۔
قادری (داراشکوہ) جب خود ہی عین دریا بن گیا تو عذاب وثواب سے فارغ ہو بیٹھا۔)

داراشکوہ کے یہاں وحدۃ الوجود کے لیے پیرایہ اظہار بہت زیادہ ہیں، اس مفہوم کو وہ طرح طرح سے باندھتے ہیں، ان کے ان اسالیب کو ایک جگہ میں سمو پانا ممکن نہیں ہے۔مثلاً ایک جگہ وہ خود ہی ہستی کی معنویت بتاتے ہوئے کہتے ہیں:

خویشتن را جدانمی بینم لیک خود را خدا نمی بینم
قطرہ رانسبتی کہ با بحر است بیشتر زیں روا نمی بینم

(ہم خود کو اس سے الگ بھی نہیں دیکھتے اور نہ یہ خود کو خدا سمجھتے ہیں۔

قطرے کو جو نسبت سمندر سے ہے، ہم اس سے زیادہ خود کو کچھ نہیں سمجھتے۔)

وحدۃ الوجودی افکار کے علاوہ بھی داراشکوہ کے یہاں بالعموم ایسی شاعری ملتی ہے جو کسی نہ حد مذہب سے متاثر ہے مثلاً صوفیہ کے عشق کی ایک قسم وہ جو عشق خالص یا خالص محبت کہلاتی ہے اور اس کی نسبت حضرت رابعہ بصریہؒ کی طرف کی جاتی ہے کہ عشق حقیقی کی یہ قسم حضرت رابعہ کی بیان کردہ ہے۔ عشق کی اس قسم کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ عذاب وثواب سے بے پرواہ ہو کر عبادت کی جائے۔ داراشکوہ نے اس مفہوم کو ایک نظم میں اس طرح بیان کیا ہے:

ہر کہ بگزاشتہ ثواب و عذاب در جہاں است او درکمیاب
از حبابی کہ نخوت اندر اوست از تواضع نکو بود گرداب
آں بروں می نماید از دریا این فرو می رود میانہ آب
زین دو بالا چوں قادری باشد
ہر کرا گشتہ است فتح باب

(جس نے عذاب وثواب کے لالچ کو چھوڑ دیا وہ دنیا میں ایک نایاب موتی کی طرح ہے۔
پانی کے بلبلے کے اندر جو تکبر ہے اس سے پانی کے بھنور کی تواضع بہتر ہے۔
اس لیے کہ بلبلے کو اس کا تکبر پانی سے باہر نکال دیتا ہے اور بھنور کی تواضع اس کو پانی گہرائیوں تک لے جاتی ہے۔
لیکن جو قادری کی طرح ان دونوں سے بلند ہو جائے تو اس کے لیے کامیابی کے دروازے کھل جاتے ہیں۔)

وحدہ الوجود کے تصور سے قریب قریب انسان کامل کا تصور ہے بلکہ یہ تصور وحدۃ الوجود سے ہی وجود پذیر ہوتا ہے کیوں ایک مقام پر وحدۃ الوجود کے ماننے کا لازمی نتیجہ انسان کامل کو ماننا ہی ہوتا ہے۔ داراشکوہ بھی اس تصور کو مانتے تھے مثلاً ان کے چند اشعار یہ ہیں:

آدمی قدر خویش می دانی — کہ توئی گنج سر پنہانی
دل تو عرش و کرسی و لوح است — کاندراں ہست علم ربانی

(اے انسان اپنی قدر پہچان چوں کہ تو ہی تو چھپا ہوا خزانہ ہے۔
تیرا دل عرش اور کرسی اور لوح محفوظ ہے، اسی کے اندر علم ربانی ہے۔)

تصوف و عرفان اور صوفیانہ افکار کے علاوہ داراشکوہ کی شاعری میں زندگی کے مسائل کے بارے میں بھی کہیں کہیں گفتگو کی گئی ہے۔ مثلا ایک جگہ انھوں نے یہ مضمون باندھا ہے کہ انسان کو اس دنیا میں کیسے زندگی بسر کرنی چاہیے۔ بلاشبہ یہ گفتگو انھوں نے بڑے خوب صورت انداز میں کی ہے اور یہ بڑی قابل قدر ہے اور بڑے عالم اور صوفی کی زبان سے ہے اس لیے اس کے انداز و اظہار میں بڑی معنویت پیدا ہوگئی ہے۔ ان کی گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان کو اس دنیا میں ہلکا رہنا چاہیے زیادہ گراں بار نہیں ہونا چاہیے، زندگی جتنی ہلکی ہوگی اتنی آسان گزرے گی۔ اس بات کو داراشکوہ نے کس خوب صورتی سے اس نظم میں بیان کیا ہے۔

مسافر ہر قدر باشد سبکسار — نیابد در سفر تصدیع و آزار
تو ہم اندر جہاں ہستی مسافر — یقیں می دان اگر ہستی تو ہشیار
بقدر مال باشد سرگرانی — بقدر پیچ باشد بار دستار
خودی را نیز از سر دور گردان — کہ ہم بار است بار وہم و پندار
تو تا باشی بہ دنیا باش آزاد
ترا چوں قادری کردہ خبردار

(مسافر جتنا ہلکا رہے گا، سفر کے دوران دردسری اور پریشانیوں سے اتنا ہی محفوظ رہے گا۔
تو بھی اس دنیا میں ایک مسافر کی طرح ہے، یقین جانو اگر تم قلمند ہو کہ
جتنا مال و اسباب ہوگا اتنی ہی مصیبت ہوگی، جس طرح سے دستار میں جتنے پیچ
یعنی بل ہوتے ہیں وہ اتنی ہی بوجھل ہوتی ہے۔

تو اپنی خودی کو بھی اپنے سے دور کر دے اس لیے کہ وہم اور پندار بھی ایک بوجھ
ہی ہے۔
تو جب تک دنیا میں رہے آزادرہ، قادری (داراشکوہ) تجھ کو اس لیے خبردار کر
رہا ہے۔)

داراشکوہ نے زندگی میں عمل کی اہمیت کو بھی بڑے خوب صورت پیرائے میں بیان کی ہے:

خواہی کہ شوی داخل ارباب نظر ∗ از قال بہ حال بایدت کرد گزر
از گفتن توحید موحد نشوی ∗ شیریں نشود دہان زنام شکر

(اگر تم یہ چاہتے ہو کہ ارباب نظر میں داخل ہو جاؤ تو قال کو چھوڑ و عمل کی راہ
پکڑو،
توحید کا لفظ کہہ دینے سے آدمی موحد نہیں ہوتا جیسے شکر کہنے سے منہ میٹھا نہیں
ہوتا۔)

راہِ تصوف میں مرشد کی بڑی اہمیت ہوتی ہے اگر مرشد کامل مل جائے تو سالوں کی مسافت لمحوں میں قطع کی جاسکتی ہے۔ حقیقت یہ کہ مرشد ہی دراصل راہ سلوک کی کنجی ہوتے ہیں۔ اس لیے مرشد عقیدت کے محور بن جاتے ہیں۔ داراشکوہ کو بھی اپنے مرشد اور ان کے متوسلین سے بے اندازہ عقیدت تھی۔ داراشکوہ نے اس عقیدت کا اظہار نظم کے پیرایے میں بھی کیا۔ ان کی ایک نظم ہے:

عارف دل و جان تو مزین سازد ∗ خارے کہ کند بجاش گلشن سازد
کامل ہمہ را از نقص بیروں آرد ∗ یک شمع ہزار شمع راشن سازد

(عارف تیرے دل اور تیری جان کو زینت عطا کرتا ہے، وہ جو کانٹا نکالتا ہے
اس کی جگہ گلشن بنا دیتا ہے۔
جو کامل ہوتا ہے وہ سب کی کمیاں اور نقص دور کرتا ہے، جیسے ایک شمع سے ہزار شمع
جلائی جاسکتی ہے۔)

اسی طرح صوفیہ کی اہمیت کے بارے میں لکھا ہے:

دل صوفی صفائی باشد و بس جملہ را پیشوائی باشد و بس
دل صوفی خدائی بنماید ہم چوں قبلہ نمائے باشد و بس
صوفی از جا واز مکان پاک است او منزہ ز جائے باشد و بس
دل صوفی یقین ز آب وگل است دل صوفی خدائی باشد وبس
ہمت صوفی از دوکون افزوں است آسمان زیر پائے باشد و بس
قادری ہم زصوفیان گردید
غیر صوفی بلائے باشد و بس

(صوفی کا دل تو صفائی کے لیے ہوتا ہے اور بس، اس کا کام تو سب کی رہنمائی کرنا ہوتا اور بس۔
صوفی کا دل اللہ کا راستہ دکھاتا ہے، وہ تو قبلہ نما کی طرح ہوتا ہے اور بس۔
صوفی مقام وقیام سے بلند ہوتا ہے، وہ تو تعین مکان سے بھی منزہ ہوتا ہے اور بس۔
دیکھنے میں صوفی کا دل بھی پانی اور مٹی سے ہی بنا ہوتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ صوفی کا دل خدائی ہوتا ہے اور بس۔
صوفی کی ہمت دونوں جہانوں سے زیادہ ہے، آسمان اس کے قدموں کی دھول ہوتا ہے اور بس۔
قادری بھی صوفیہ کے اندر شامل ہو گیا ہے، جو صوفی نہ ہو وہ تو صرف بلا اور مصیبت ہوتا ہے اور بس۔)

داراشکوہ کے مرشد لاہور یعنی پنجاب کے رہنے والے تھے۔ اس لیے داراشکوہ کو پنجاب سے بھی اور خاص طور پر لاہور سے بڑی عقیدت ہوگئی تھی انھوں نے لاہور کے بارے میں ایک شعر میں کہا:

بود آباد دائم شہر لاہور
وبا و قحط ازیں جا دور دارد

(یعنی شہر لاہور ہمیشہ آباد رہے اور اللہ تعالی وبا اور قحط کو اس شہر سے ہمیشہ دور رکھے۔)

اسی عقیدت کے زیر اثر پورے پنجاب سے عقیدت ہوگئی۔ چناں چہ پنجاب کے بارے میں کہا ہے کہ:

عشق پنجابم نمودہ بے قرار — زاں کہ نقش دوست در پنجاب ہست
کعبہ من حضرت لاہور دان — سجدۂ من سوئے آں محراب ہست
قادری را کعبہ داراپور شد — کاندراں بسیار فتح باب ہست

پنجاب کے عشق نے مجھ کو بے قرار کر دیا ہے، اس لیے کہ دوست کا عکس و نقش پنجاب میں ہے۔
میرا کعبہ تو لاہور شریف کو سمجھ میرا سجدہ اسی کی محراب کی طرف ہوتا ہے۔
داراپور (حضرت میاں میر کا وطن) ہی قادری کے لیے کعبہ ہے، اسی کے اندر ہی خیر کے دروازوں کی کشاد ہے۔)

داراشکوہ کو سلسلہ قادری سے بڑی عقیدت تھی۔ اس سلسلے کے بانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ کی مدح میں بھی انھوں نے اشعار کہے ہیں اور اس سلسلے کے اور بھی صوفیہ کی مدح میں شعر گوئی کی ہے۔ اپنے مرشد حضرت میاں قادریؒ کے بارے میں ایک غزل نما نظم لکھی تھی اس کے چند اشعار یہ ہیں:

دل و جانم فدائے میاں میر — دیدن حق لقائے میاں میر
عارفان جہاں ہمہ کردند — درطریق، اقتدائے میاں میر
در رہ فقر اولیائے زمان — شرمسار غنائے میاں میر
غم ہر دو جہاں شد از دل او — ہر کہ شد در سرائے میاں میر
بہترین بلاد ہندستان — شہر لاہور جائے میاں میر
با شکوہ سکندر و دارا
قادری خاکپائے میاں میر

(میرا دل اور میری جان میاں پر قربان ہوں، میاں میر سے ملاقات کرنا ایسا ہے جیسے حق کی زیارت کرنا۔ (نعوذ باللہ)
دنیا کے تمام عارفین راہِ سلوک میں حضرت میاں میر کی اقتدا کرتے ہیں۔
فقر کے راستے میں دنیا کے تمام اولیاء میاں میر کی غنا کے سامنے شرمسار ہیں۔
اس کے دل سے دنیا کا ہر غم دور ہو جاتا ہے جو میاں کی سائے میں آ جاتا ہے۔
ہندوستان کا سب سے اچھا شہر لاہور ہے اور وہی میاں میر کا مقام ہے۔
سکندر اور دارا کی شان وشوکت کے ساتھ قادری (داراشکوہ) میاں میر کے قدموں کی دھول ہے۔)

لاہور میں ایک بزرگ حضرت ایشاں لاہوریؒ تھے۔ ان کا نام محمد اور عرف خواجہ خاوند محمود تھا انھوں نے کشمیر میں سلسلہ نقشبندیہ اشاعت کی تھی لیکن بعض سیاسی وجوہات کی بنا پر ان کے لیے سرکاری طور پر لاہور میں قیام کو لازمی قرار دے دیا تھا۔ 1052 میں ان کی وفات ہوئی۔ ان کی وفات پر داراشکوہ نے ان کا مرثیہ لکھا تھا۔ یہ مرثیہ قطعہ تاریخ بھی ہے۔ اس کے اشعار حسب ذیل ہیں:

چوں نباشد آسماں با چشم تر — چوں سفر فرمود شیخ بحر وبر
شیخ ہفت اقلیم طاؤس حرم — پیشوائے اولیائے معتبر
فقر اور شاگرد فقر احمدی — بود کم تر پیش او از خاک زر
مثل اور زائر نباشد کعبہ را — ہم چناں زائر نبودے پیش تر
روز و شب می گشت بر گرد حرم — کاں چناں گردش نیاید از بشر
تا مگر بار دگر گردد بگرد — کعبہ اندر راہ دارد در نظر
من نگویم مرد آن ذات لطیف — سوئے اصل خویش راجع گر
اولیا را مرگ می باشد حرام — لایموتون است چوں اندر خبر
در ہزار و پنج ودو چوں رفت او — روز سہ شنبہ دہ وپنج از صفر
قادری گریاں بماند از ہجر او
کرد از دارے بدارے چوں سفر

(آسمان کیوں نہ روئے جب کہ بحر و بر کے شیخ نے سفر آخرت اختیار کرلیا۔
وہ ساتوں اقلیم کے شیخ تھے اور حرم مقدس کے مور تھے۔
ان کا فقر فقرِ احمدی سے ماخوذ تھا، ان کی نظر میں سونے کی حیثیت مٹی سے بھی کم تھی۔
کعبہ پاک کی زیارت کے لیے بھی ان سے بہتر کوئی نہ ہوگا، پہلے بھی کوئی ایسا زائر وہاں نہ گیا ہوگا۔
وہ رات دن طواف کرتے رہے، ایسے طواف اور گردش تو انسان کے بس کی بات نہیں۔
وہ جب دوبارہ کعبہ کے گرد طواف کرنے گئے تو خود کعبہ کو بھی ان کے طواف کا انتظار تھا۔
میں یہ تو کہہ ہی نہیں سکتا کہ وہ ذات لطیف فوت ہوگئی، بلکہ مین تو یہ کہتا ہوں کہ وہ تو اپنی اصل کی طرف لوٹ گئی۔
اولیا کے لیے تو موت ہوتی ہی نہیں جیسا کہ حدیث میں آیا ہے 'لا یموتون'
ایک ہزار باون میں سہ شنبہ یعنی منگل کے دن اور پندرہ صفر کی تاریخ میں ان کا انتقال ہوا۔
قادری ان کی جدائی میں آنسو بہاتا ہے کیوں کہ انھوں نے اس دنیا سے اس دنیا کا سفر اختیار کرلیا ہے۔)

داراشکوہ کے یہاں غزلیہ شاعری کے لیے کوئی جگہ نہیں تھی ورنہ اگر وہ راہ پر چلتے تو یقین ہے کہ وہ اپنے دور کے نمائندہ شعرا میں ہوتے اس لیے کہ ان کی شاعری جہاں غزلیہ عناصر ہیں ان میں زبردست تغزل پایا جاتا ہے۔ بطور نمونہ ان کے اس طرح کے کچھ اشعار درج کیے جاتے ہیں:

خاطر نقاش در تصویر حسنش جمع بود   چوں بزلف اور رسید آخر پریشانی کشید
ہمہ چیزے تو خوب لیک ایں بد   کہ تو بسیار دیر می آئی
بادوست رسیدیم چوں از خویش گزشتیم   از خویش گزشتن چہ مبارک سفری بود

ہرخم وپیچی کہ شد از تاب زلف یار شد　　دام شد، زنجیر شد، تسبیح شد، زنار شد
عاشق یار خویش جملہ جہاں　　اے خوش آں کس کہ یار عاشق اوست
یار بسیار بود بازی گر　　قادری را ببرد در بازی
بشکست دل آبلہ از گردش پایم　　درکار من آں ہم گرہی بود کہ وا شد

(اس کے بنانے والے نے جب تک اس کے حسن کی تصویر کشی کی تب تک اس کو اطمینان تھا لیکن جب اس کی زلف بنائی تو پریشان ہو گیا۔
تمہاری ساری باتیں اچھی ہیں لیکن برائی یہ ہے تم جلدی نہیں آتے۔
اپنے آپ کو کھو کر دوست کو پالیا، اپنے آپ کو کھونا تو کتنا اچھا سفر ثابت ہوا۔
ہر پیچیدگی ہمارے دوست کی زلف کے خم کی وجہ سے ہے، ان کی زلف ہی ہے جو پھندا بن گئی، زنجیر بن گئی، تسبیح بن گئی، جنیو بن گئی۔
ہمارے محبوب کی دیوانی یہ ساری دنیا ہے، بڑا ہی خوش نصیب ہے وہ شخص جس کے لیے ہمارا محبوب ہی دیوانہ بن گیا۔
میرا محبوب تو بڑا کھلاڑی نکلا، قادری کو کھیل میں جیت لے گیا۔
میرے پاؤں کی گردش سے میرے آبلے کا دل ٹوٹ گیا، میرے کام میں وہی ایک گرہ تھی سو وہ بھی دور ہو گئی۔)

داراشکوہ نے اپنی شاعری میں بہت سے مقامات پر 'ملا' کی بڑی مذمت کی ہے۔ یہاں اس پر تفصیل سے گفتگو کا موقع نہیں ہے چند اشعار کا ذکر کر دینا کافی ہے۔ داراشکوہ نے کہا ہے:

بہشت آن جا کہ ملائی نباشد　　ز ملا شور و غاغائی نباشد
جہاں خالی شود از شور ملا　　زفتوی ہاست پروائی نباشد
دراں شہرے کہ ملا خانہ دارد　　درآں جا ہیچ دانائی نہ باشد

(جنت وہ جگہ ہے جہاں ملا نہیں ہے، ملا کا شور وغوغا بھی وہاں نہیں ہے۔
دنیا ملا کے شور سے خالی ہو جائے گی اور اس کی فتوی بازی کی کسی کو پرواہ نہ ہو گی۔

جس شہر میں ملا کا قیام ہوتا ہے عقل و دانائی وہاں سے رخصت ہو جاتی ہے۔)

داراشکوہ کی شاعری پر یہ ابتدائی نوعیت کی گفتگو ہے، اس موضوع پر ابھی تفصیلی اور تجزیاتی کام ہونا باقی ہے۔ حالاں کہ یہ ایک پیچیدہ اور محنت طلب کام ہے، اس لیے کہ اس کام کے لیے لکھنے والے کا فن شعر سے واقف ہونا بھی ضروری ہے اور اسلامی تصوف کی روایت سے بھی، لیکن اس کام کی ضرورت ہے۔

●●●

حواشی:

1 داراشکوہ:سفینۃ الاولیا،مطبع نامی،نول کشور،کان پور،طبع 1882 ص:

2 محمد افضل سرخوش:کلمات الشعرا،مدراس یونیورسٹی،1951،ص:147

3 خزینۃ الاصفیا،مترجمین،مفتی محمود عالم ہاشمی اورعلامہ اقبال احمد فاروقی،مکتبہ نبویہ،لاہور، 1401 جلداول،ص:262

4 مفتی غلام سرور لاہوری:خزینۃ الاصفیا،ترجمہ وترتیب اقبال احمد فاروقی، مکتبہ نبویہ،لاہور، 2001

5 آفتاب رائے لکھنوی : تذکرہ ریاض العارفین،تصحیح سید حسام الدین راشدی،مرکز تحقیقات فارسی،ایران وپاکستان،1982،ص:112

6 Bikrama Jit Hasrat : Dara Shikoh : Life and Work Work, Calcutta, pp.143 1953

7 کلمات الشعرا،ص:166

●●●

دو دریاؤں کا سنگم
یعنی تصوف اور ویدانت میں یگانگت کی راہیں

داراشکوہ کی علمی اور عملی زندگی کا ایک پہلو یہ ہے کہ انھوں نے علمی اور عملی دونوں اعتبار سے ہندو مذہب اور اسلام کی روایتوں کے درمیان ہم آہنگی اور مطابقت کی شکلیں تلاش کرنے کی کوشش کی تھی۔ داراشکوہ چاہتے تھے کہ کسی طرح اسلام اور ہندو مذہب کے درمیان یگانگت اور موافقت کی ایسی سبیل پیدا ہو جائے کہ دونوں مذاہب کے پیروکار ایک دوسرے کا زیادہ احترام کرنے لگیں اور ایک دوسرے کے ساتھ زیادہ خیر سگالی اور ہم آہنگی کے ساتھ رہیں۔ یعنی ہر شخص خود اپنے مذہب پر عمل کرے اور دوسرے کو اطمینان کے ساتھ اپنے مذہب پر عمل کرنے دے۔ مذہب کی بنیاد پر تعصب اور تنگ نظری کا خاتمہ ہو جائے اور تمام لوگوں کے اندر رواداری اور ایک دوسرے کے لیے خیر سگالی کا جذبہ ہو۔

عمومی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسلام کی روحانی روایت کا نام تصوف ہے اور ہندو مذہب کی روحانی روایت کا نام ویدانت ہے۔ لیکن یہ ایک عمومی بات ہے اس میں مزید تفصیل بھی ہے، یعنی دونوں مذاہب کی روحانی روایت میں اور پہلو بھی ہیں، ان پر یہاں تفصیل گفتگو کرنے کا موقع نہیں ہے۔

داراشکوہ نے اصل کام یہ کیا تھا کہ انھوں نے ہندو اور مسلم روحانی روایتوں کو باہم آمیز کرنے اور ملانے کی کوشش کی تھی۔ چوں کہ یہ بالکل نئی آواز تھی اس لیے جہاں بہت

سے لوگوں نے اس کو پسند کیا وہیں کئی لوگوں نے اس کی مخالفت بھی کی تھی۔ان کی اس کوشش کو ناپسند کرنے والوں میں کچھ عوام تھے اور کچھ شاہی گھرانے کے لوگ تھے۔

داراشکوہ نے اپنے ان نظریات کے سلسلے میں اس دور کے عوام کو بھی مطمئن کرنے کی کوشش کی تھی۔خاص شاہی گھرانے کے لوگوں کو مطمئن کرنے کے لیے انھوں نے ایک مستقل کتاب لکھی جس میں یہ بتایا کہ اسلام کی روحانی روایت اور ہندو مذہب کی روحانی روایت میں اصل فرق صرف الفاظ کا ہے، حقیقت کا نہیں ہے۔حقیقت میں دونوں کی منزل ایک ہی ہے۔

داراشکوہ شہزادہ ہونے کے باوجود اپنے وقت کے جید عالم تھے۔خاص طور پر انھوں نے تصوف کا مطالعہ بہت گہرائی سے کیا تھا۔علم کی گہرائی نے ان کو نئی راہیں کھوجنے پر لگا دیا اور یہ بات معلوم ہے کہ جو بھی نئے انداز اور نئے اسلوب کی بات کرتا ہے اس پر اعتراض تو ہوتا ہی ہے۔داراشکوہ پر بھی اسی لیے اعتراضات ہوئے تھے۔

داراشکوہ نے جس نئی راہ کی بات کہی تھی، اس سے داراشکوہ کے زمانے میں بھی اختلاف کیا گیا اور آج بھی کیا جا سکتا ہے تاہم اگر اس کو غور سے دیکھا جائے اور تجزیہ کیا جائے تو ان کی اس پوری کاوش کو دو پہلو یا دو عنوان کے تحت بیان کیا جا سکتا ہے:

پہلا عنوان یہ ہے کہ داراشکوہ یہ سمجھتے تھے کہ اصل سچائی اور ابدی صداقت تمام مذاہب کے اندر دائر ہے، یعنی پھیلی ہوئی ہے۔ ہر جگہ وہی روشنی موجود ہے جو قندیل حرم سے پھوٹتی ہے۔فرق اصطلاحات اور اسلوب بیان کا ہے، اس اسلوب کو لوگ سمجھ نہیں پاتے اس لیے ایک دوسرے کی مخالفت کرتے ہیں۔

دوسرا پہلو یہ ہے کہ داراشکوہ ایک نئے ہندوستان کی تلاش میں تھے اور وہ ہندو اور مسلمانوں کے درمیان اتحاد اور یکجہتی کی مذہبی بنیادیں تلاش کر رہے تھے۔

داراشکوہ کے یہ افکار نئے نہیں ہیں خود داراشکوہ کے عہد میں اور عہد وسطی کے پورے دورانیے میں بلکہ آج بھی بہت سے لوگ ہیں جو ان خیالات کے حامل ہیں۔یقیناً داراشکوہ پر بھی تنقید کی جا سکتی ہے اور دوسرے لوگوں پر بھی کی جا سکتی ہے۔البتہ ان کاموں

کو مثبت انداز میں دیکھ کر ان کا جائزہ لینا چاہیے۔ پھر جو کچھ قابل تنقید ہو اس پر تنقید ہو اور جو مفید ہو اس کو رد کرنا یقیناً کوئی مثبت روایت نہیں ہو گی۔

داراشکوہ صوفیہ کے منہاج اور ہندو مذہب کی روحانی روایت یعنی ویدانت کو سمجھانے اور ان کے درمیان میں مماثلتوں کو بیان کرنے کے لیے ایک مستقل کتاب لکھی تھی۔ اس کتاب کا نام 'مجمع البحرین' ہے اس کتاب کا اصل مقصد اپنے نظریات کے سلسلے میں شاہی گھرانے کے لوگوں کو مطمئن کرنا تھا اور یہ بات انھوں نے خود اس کتاب کے مقدمہ میں لکھ دی ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ:

> ''میں نے یہ کتاب بڑی تحقیق اور جستجو اور ذاتی کشف و مشاہدے کے بعد لکھی ہے اور صرف اپنے خاندان والوں کے لئے لکھی ہے۔ اس کتاب میں مجھے دونوں فرقوں یعنی ہندو اور مسلمان کے عوام سے کوئی سروکار نہیں ہے۔'' (1)

یہی وجہ ہے کہ اس کتاب کے لکھنے کا ڈھنگ بہت الگ اور بڑی حد تک فلسفیانہ ہے اس کتاب کا اسلوب نگارش، اس کا زور بیان اور طرز استدلال بڑا غیر معمولی ہے اس میں انھوں نے اپنے قلم کی پوری قوت صرف کر دی تھی اس کتاب میں اختصار اور ایجاز بھی بہت ہے اور یہ بھی واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اس کے مخاطب عوام نہیں ہیں بلکہ اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ ہیں۔ اس بات کا بھی ذکر انھوں نے اس کتاب کے مقدمہ میں خود بھی کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

> ''تصوف انصاف پسندی کا نام ہے۔ لہٰذا جو شخص انصاف پسند ہے اور فہم و شعور رکھتا ہے وہ اس کتاب (مجمع البحرین) کے مطالعے سے یہ سمجھ لے گا کہ میں نے اس میں کتنا غور اور تدبر کیا ہے اور کتنی محنت سے یقین کی راہ متعین کی ہے۔ جو سمجھ بوجھ والے ہیں وہ اس کتاب سے خوب استفادہ کریں گے اور جو کند ذہن ہے اور ناسمجھ ہیں وہ اس کے فوائد سے محروم رہیں گے۔ (2)

جیسا کہ پہلے ذکر ہوا داراشکوہ نے اس کتاب کا نام مجمع البحرین رکھا۔ مجمع البحرین ایک قرآنی اصطلاح ہے قرآن مجید میں مجمع البحرین سے ایسے دو دریاؤں کا سنگم مراد ہے جو

اپنی نوعیت میں الگ الگ ہوتے ہوئے بھی ایک ساتھ بہتے ہیں۔ داراشکوہ نے اس کتاب کو یہ نام دے کر ایک طرح سے اس بات کا اثبات کیا ہے کہ ہندو مذہب اور اسلام میں روحانیت اور تصوف کے دو دریا ہیں جو الگ الگ ہوتے ہوئے بھی ایک ساتھ بہہ سکتے ہیں۔ یہ دونوں ایک نہیں ہیں پھر بھی ان میں وحدت میں کثرت اور انیکتا کے اندر ایکتا ہے۔اس بات کو انھوں نے اس کتاب میں پوری وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔اس کتاب کے مقدمے میں لکھتے ہیں کہ:

''اس کے بعد یہ فقیر محمد داراشکوہ عرض کرتا ہے کہ سچائی اور صداقت کی حقیقت اور صوفیاء کے سچے مذہب کی گہرائی اور اس کے اسرار کو جان لینے کے بعد اس عظیم انعام کے حصول نے مجھے حوصلہ بخشا کہ ہندوستان کے موحدوں یعنی ایک ایشور کو ماننے والوں اور ان کے طریقے اور گیان کو سمجھ سکوں۔اس قوم کے بعض محققین اور کاملین یعنی پہنچے ہوئے لوگوں کی صحبت میں بیٹھ کر جو نہایت عقل وشعور اور پوری سمجھ کے ساتھ بہت مشکل اور کٹھن ریاضتوں سے گزر کر تصوف کی اصل اور خدا کی معرفت تک پہنچے تھے ان کے ساتھ رہ کر علم حاصل کیا اور ان کے گہرے علوم سیکھے۔ میں نے اللہ کے عرفان اور حق کی شناخت میں ان کے ساتھ سوائے لفظی اختلاف کے اور کوئی فرق نہیں پایا۔اس جہت سے میں نے دونوں فریقوں کے نظریے میں مطابقت پیدا کی۔ نیز بعض ایسی باتوں کو جن کا جاننا طالبان حق کے لیے ضروری اور مفید ہے یکجا کر کے ایک رسالہ مرتب کر دیا۔ یہ رسالہ چونکہ دو حق شناس گروہوں کے مذہبی عقائد اور معارف کا مجموعہ ہے اس لیے میں نے اس کا نام ''مجمع البحرین'' رکھا۔(3)

مجمع البحرین ایک مختصر سی کتاب ہے لیکن اپنے مضامین کی گہرائی کے اعتبار سے یہ کتاب حقیقت میں دو سمندروں کا سنگم ہے۔ بلکہ اس کو سنگم بھی نہیں کہہ سکتے اس لئے کہ اس میں انھوں نے ہندو مذہب کی روحانیت اور اسلام کے تصوف کو ایک دوسرے سے ملایا نہیں ہیں، بلکہ دونوں کو ساتھ ساتھ کھڑا کیا ہے، دونوں کے درمیان موازنہ کیا ہے، دونوں کی مشترک باتوں کو نمایاں کیا ہے۔مجمع البحرین کے ہندی مترجم جگن ناتھ پاٹھک نے اس

بات کا ادراک کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

> مجمع البحرین کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ دونوں مذہبوں کی روحانی روایت یعنی تصوف اور ویدانت پر داراشکوہ کی گہری نظر تھی۔ انھوں نے دونوں کے درمیان یکجہتی کی راہیں تلاش کر کے ہندوستانی تمدن وثقافت کی طرف نئے اشارے کیے ہیں۔ اس کتاب میں بظاہر دو بالکل الگ اور ایک دوسرے سے مختلف مذہب یعنی ہندو دھرم اور اسلام (کی روحانی روایت) کا نہ صرف تقابلی مطالعہ کیا ہے بلکہ ان کے اندر جو مشترک باتیں ہیں ان کو بھی واضح کیا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اس کتاب میں ان کی ہر بات سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے لیکن پھر بھی اس کتاب میں داراشکوہ کی وسیع المشربی یعنی 'اُدار وادی وچار دھارا' کو پوری طرح محسوس کیا جاسکتا ہے جو ہندوستانی تہذیب کی علامت ہے۔ (4)

جگن ناتھ جی نے اپنے اس اقتباس میں داراشکوہ پر اچھا تبصرہ کر دیا ہے۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ داراشکوہ اصل ہندوستانی تہذیبی روایت جو یہاں ہزاروں سال سے قائم ہے اسی کا تسلسل ہے اور اس کتاب میں تو انھوں نے بہت ہی نادر اسلوب میں ہندوستانی روایت کے اس تسلسل کو بیان کیا ہے۔

مجمع البحرین میں ان کا لکھنے کا انداز یہ ہے کہ وہ ایک عنوان قائم کرتے ہیں پھر اس عنوان کے تحت مسلمان صوفیاء کا موقف بیان کرتے ہیں۔ اس کے بعد ویدانت کی روایت میں اس سے متعلق جو تصور ہوتا ہے اس کو بیان کرتے ہیں پھر اسلامی متون یعنی قرآن و حدیث سے بلکہ خاص طور پر قرآن سے ایسے شواہد جمع کرتے ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان دونوں تصورات میں ہم آہنگی اور یکسانیت ہے، ٹکراؤ یا تضاد نہیں ہے۔

اس کتاب میں داراشکوہ نے 22 عنوانات یا ابواب کے تحت اپنے افکار بیان کئے ہیں۔ وہ عنوانات اس طرح ہیں:

> عناصر یعنی وبھوتی کا بیان، حواس کا بیان، شغل یعنی سالک کے طریقے کا بیان، اللہ کی صفات کا بیان، روح یعنی آتما کا بیان، ہواؤں کا بیان، عوالم اربعہ یا

چاروں کیفیات جن کو ہندوستان میں چاراوستھا کہا جاتا ہے،ان کا بیان،آواز کا بیان،نور کا بیان،رویت یعنی دیدار کا بیان، اللہ تعالیٰ کا بیان، نبوت اور ولایت کا بیان،برہمانڈ کا بیان،سمت کا بیان،آسمانوں کا بیان،زمین کا بیان، زمین کی تقسیم یعنی اس کے حصوں کا بیان،عالم برزخ یعنی شوکھشم شریر کا بیان، قیامت یعنی پرلے کا بیان،مکتی یعنی نجات کا بیان،دن اور رات کا بیان،اور آخری باب میں اس مضمون کا بیان ہے کہ زمانہ کبھی ختم نہیں ہوگا یعنی وقت کا پہیہ ہمیشہ چلتا رہے گا۔

بائیس ابواب یا عنوانات کے تحت داراشکوہ نے اس کتاب میں علم معرفت اور خاص طور پر روحانیت کے ایسے جواہر جمع کر دیے ہیں جو بہت سی طویل کتابوں میں بھی دستیاب نہیں ہیں۔

جیسے انھوں نے یہ تصور بیان کیا ہے کہ ویدانت کی نظر میں یہ سنسار یعنی زمانہ انادی ہے،یعنی ازلی وابدی ہے، جو ہمیشہ رہے گا اور کبھی فنا نہیں ہوگا۔جیسے دن رات بدلتے ہیں ویسے ہی زمانہ کے حالات بدلتے ہیں۔لیکن خود زمانہ ہمیشہ باقی رہتا ہے اس کو ہندو مذہب کی اصطلاح میں 'اناد پرواہ' کہتے ہیں۔

داراشکوہ نے ہندو مذہب کے اس تصور کو اسلامی روایت سے ملانے کے لیے قرآن مجید میں سورہ انبیاء کی آیت نمبر 104 نقل کی ہے جس کا ترجمہ ہے،''ہم نے تم کو جس طرح پہلے پیدا کیا ویسے ہی ہم پھر پیدا کریں گے'' یہ بات اور بھی کئی آیات میں مذکور ہوئی ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ زمانہ سے متعلق اسلام اور ہندو مذہب کی روایتوں میں کوئی بڑا تضاد نہیں ہے۔اسلام کی نظر میں بھی زمانہ غیر مختتم ہے اور ہندو مذہب میں بھی زمانے کو غیر مختتم مانا گیا ہے۔

داراشکوہ نے اس کتاب میں اسی طرح کی اور بھی کئی تاویلات کی ہیں،لیکن اکثر مقامات پر ان کی کوشش یہ رہی ہے کہ تاویل کرکے دونوں مذاہب کے تصورات کو ایک جیسا ثابت کر دیں۔تاہم کچھ مقامات پر انھوں نے اسلامی تصورات کی تشریح میں قبائے تنگ بر

قد بالا کا معاملہ بھی کیا ہے۔مثلاً انھوں نے ہندو مذہب کے اندر دیوتا آ کی جو تثلیث ہے یعنی برھما، وشنو اور مہیش جن کو تری مورتی کہا جاتا ہے اس کو صفات الٰہی قرار دے کر حضرت جبرائیل، حضرت میکائیل اور حضرت اسرافیل سے تشبیہ دی ہے۔(5) لیکن ایسے مقامات اس کتاب میں زیادہ نہیں ہیں۔

اس کتاب کے اسلوب نگارش کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے اس کتاب میں سے ایک اقتباس بیان کرنا ضروری ہے اس سے اندازہ ہوگا کہ انھوں نے کس طرح ہندو مذہب اور اسلام کی روایتوں کو باہم قریب کر کے ایک نئے ہندوستان کی بنیاد رکھنے کی کوشش کی تھی۔عوالم اربعہ کے بیان میں مجمع البحرین کے اندر لکھا ہے کہ:

عوالم اربعہ (چار عالم) کے بیان میں

عوالم چار ہیں۔ساری مخلوقات انھی چار عالموں اور حالتوں میں رہنے پر مجبور ہیں۔ بعض صوفیاءتو ان کی تعداد چار ہی بتاتے ہیں یعنی عالم ناسوت، عالم ملکوت، عالم جبروت اور عالم لاہوت لیکن بعض صوفیہ پانچ بھی کہتے ہیں اور اس میں عالم مثال کا اضافہ کرتے ہیں۔بعض صوفیاء ایسے ہیں جو عالم مثال کو مانتے تو ہیں لیکن مستقل عالم نہیں مانتے بلکہ عالم ملکوت میں شامل سمجھتے ہیں اس طرح گویا ان کے نزدیک عوالم چار ہی قرار پائے۔

ہندو دانشور چار حالتوں کو اوستھا سے تعبیر کرتے ہیں یعنی جاگرت، سوپن، شکھوپت اور تریا۔ جاگرت' عالم ناسوت سے متعلق ہے جو عالم ظاہر و عالم بیداری ہے۔ سوپن عالم ملکوت کو کہتے ہیں جو روح اور خواب کا عالم ہے۔شکھوپت گویا عالم جبروت ہے جس میں جہان کی صورتیں اور من وتو کا فرق و امتیاز باقی نہیں رہتا چاہے آنکھیں کھلی ہوں یا بند۔

مسلمان صوفیاء اور ہندو فقراء میں سے زیادہ تر اس عالم سے باخبر نہیں ہیں چنانچہ سید الطائفہ حضرت ابوالقاسم جنید بغدادی قدس سرہ (حضرت سری سقطی رحمتہ اللہ علیہ کے بھتیجے اور امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے شاگرد) فرتے ہیں کہ ''تصوف تھوڑی دیر بغیر تیماردار کے بیٹھنے کا نام ہے۔''

شیخ الاسلام حضرت عبداللہ بن خیر الانصاری الہروی نے پوچھا بے تیمار کا کیا مطلب ہے۔ انھوں فرمایا کہ بنا ڈھونڈھے پالینا اور بنا دیکھے دیدار ہونا کیونکہ بینندہ یعنی دیکھنے والا دیدار کا سبب ہے۔ لھذا ''بے تیمار'' کی گھڑی وہی مرحلہ ہے جب صورتیں دل سے نہ گزریں۔ مولا رومی قدس سرہ نے ان اشعار میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے:

خواہی کہ بیابی یک لحظہ مجویش
خواہی کہ بدانی یک لحظہ مدانش
چوں درنہانش جوئی دوری زآشکارش
چو آشکار جوئی مجوبی از نہانش
چوں زآشکار و پنہاں بیرون شوی ببرھان
پاہا درازمی کن خوش خسپ درامانش

اور تریا موافق ہے لاہوت کے جو ذات واجب ہے اور تینوں عالم کا جامع، شامل اور محیط ہے بلکہ عین عوالم ثلثہ ہے۔ اگر انسان کی منتقلی ناسوت سے ملکوت سے جبروت میں اور جبروت سے لاہوت میں ہو تو اس کی ترقی ہے۔ اگر حضرت حقیقۃ الحقائق جسے ہندو موحدین ارسن کہتے ہیں مرتبہ لاہوت سے نزول فرمائے اور جبروت وملکوت سے گزر کرے تو یہ سیر عالم ناسوت پر جا کے مکمل ہوتی ہے۔ صوفیوں نے جو نزول کے چار اور کسی نے پانچ مراتب بیان کیے ہیں وہ اسی معنی میں ہیں۔ (6)

یہ عبارت مجمع البحرین سے ہے، اس میں انہوں نے صوفیہ کے یہاں عوالم کے تصور اور ہندو دانش وروں کے یہاں عوالم یا اوستھا کے تصور کو بیان کیا ہے۔

عوالم کا مسئلہ براہ راست عقائد کا مسئلہ نہیں ہے یہ دراصل صوفیہ کا اجتہادی اور ذوقی معاملہ ہے شریعت کے اعتبار سے اس کا ماننا یا نہ ماننا برابر ہے۔ البتہ اس کتاب میں بعض جگہ ایسے مسائل بھی زیر بحث آگئے ہیں جو براہ راست عقائد سے متعلق ہیں اور کہیں داراشکوہ کی تاویل درست نہیں ہے۔ مثلاً صفات الہی کو جس طرح ہندوستانی روایت سے جوڑ کر لکھا ہے وہ اسلامی عقائد کے قد بالا کو قبائے تنگ میں کسنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن

داراشکوہ کے یہاں بھی ایسے مواقع کم ہیں۔ عام طور پر وہ ایسے امور کو ہی بیان کرتے ہیں جن میں کسی بھی مذہب کے عقائد زیر بحث نہ آئیں۔

داراشکوہ کا زیادہ زور اس پر ہے کہ مسلمان اور ہندو دونوں قوموں کا انفرادی وجود باقی رہے اور اس کے ساتھ ان کے درمیان ہم آہنگی پیدا ہو اور ایک دوسرے کے مذہب کو تعصب کے بغیر دیکھیں اور سمجھیں۔

مجمع البحرین میں مذکورہ بالا تاویل کے علاوہ بھی متعدد اہم بحثیں ہیں اور ان میں نہایت گہرے مضامین بیان کیے گئے ہیں۔ پوری کتاب میں ان کا مخصوص ذوق نظر آتا ہے اور ہندو مسلمان کے درمیان اختلافات کی خلیج کو کم کرنے کوشش نظر آتی ہے۔

بلاشبہ یہ کتاب داراشکوہ کی بہترین کتابوں میں سے ایک ہے۔ اس کتاب کے ذریعہ شہزادہ داراشکوہ نے ہندوستانی تہذیبی روایت کے لیے ایک بنیاد قائم کرنے کی کوشش ہے اور مختلف مذاہب کے تقابلی مطالعہ کا مثبت طریقہ کار متعین کیا ہے اور ویدانت اور تصوف کے درمیان مطابقت اور ہم آہنگی کی سبیل پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ بلاشبہ اس کتاب میں ہر بات قابل قبول نہیں ہے بلکہ ہوسکتا ہے کہ کوئی بات قابل قبول نہ ہو۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ شہزادہ داراشکوہ نے یہ کام نہایت خلوص کے ساتھ کیا تھا اور اپنے فہم اور اپنی صلاحیت کی حد تک ایک اچھا کام کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس کام کو مزید بہتر معقول اور مثبت انداز میں انجام دینے کی ضرورت ہے۔

●●●

حواشی:

1۔ داراشکوہ: مجمع البحرین، تحقیق پروفیسر محفوظ الحق مع انگلش ترجمہ، کلکتہ 1929 ص:80

2۔ ایضاً،

3۔ ایضاً،

4۔ مجمع البحرین ہندی ترجمہ از جگن ناتھ پاٹھک، راکا پرکاشن، الہ آباد، 2005، مقدمہ (بھومِکا)

5۔ مجمع البحرین، (حوالہ سابق) ص:90

6 داراشکوہ: مجمع البحرین، تحقیق پروفیسر محفوظ الحق مع انگلش ترجمہ، کلکتہ 1929 ص:80

●●●

حیات انسانی کے سربستہ اسرار کی گرہ کشائی

اپنشدوں کا ترجمہ اور یوگ کی روایت

مغل بادشاہوں کو ہندوستان اور ہندوستانی علوم، ہندوستان کی زبانیں، ہندوستان کا جغرافیہ اور یہاں کی قوموں اور ملتوں سے بالکل شروع سے ہی دلچسپی رہی ہے۔ خاص طور پر اکبر اور شاہجہاں کے زمانے میں اس روایت میں بہت ترقی ہوئی۔ اکبر بادشاہ نے کئی اہم سنسکرت کتابوں کا فارسی ترجمہ کروایا۔ اس ترجمہ کرانے کے پیچھے ان کا سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ ہندو اور مسلمانوں کے درمیان ایک صالح مکالمہ شروع ہو، دونوں قومیں ایک دوسرے کو سمجھیں اور سماجی سطح پر دونوں قومیں زیادہ بہتر طریقے پر زندگی گزار سکیں۔ ابوالفضل نے مہابھارت کے فارسی ترجمے پر مقدمہ لکھا تھا۔ اس مقدمے میں انھوں نے سنسکرت کتابوں کے ترجمہ کا اصل مقصد یہی بتایا ہے کہ اس سے دونوں مذاہب کے ماننے والوں کے درمیان ہم آہنگی پیدا ہوگی۔

اکبر بادشاہ کے بعد شاہجہاں کے زمانے میں دبستان مذاہب لکھی گئی۔ بعض اعتبار سے یہ کتاب مطالعہ مذاہب کی تاریخ میں اپنی نوعیت کی پہلی کتاب تھی۔ اس کتاب میں ہندوستان کے اندر موجود مختلف مذاہب کا تعارف کرایا گیا ہے اور اس کی خاص بات یہ ہے کہ ہر مذہب کا تعارف اس مذہب کے ماننے والے یا اس کے بڑے عالم سے کروایا گیا ہے۔ یعنی اس کتاب کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ مختلف مذاہب کو اُن مذاہب کے ماننے

والے خود کس طرح دیکھتے ہیں۔اس طرح یہ کہہ سکتے ہیں کہ مذاہب کے معروضی مطالعہ کی یہ پہلی کتاب ہے۔

اپنشدوں میں ویدانت کا فلسفہ بیان کیا گیا ہے۔خود اپنشد کا ایک نام ویدانت ہے یعنی ان کی تصنیف کے بعد وید کا انت ہوگیا یعنی وید کی تکمیل ہوگئی۔ ویدانت کی روایت تقریباً وہی ہے جو مسلمانوں میں وحدۃ الوجودی تصوف کی روایت ہے۔ دونوں کے درمیان گہری مماثلتیں ہیں۔بعض اصطلاحات کا فرق ہے لیکن نتائج کے اعتبار سے دونوں میں کوئی بنیادی اور جوہری نوعیت کا فرق نہیں ہے۔چوں کہ دونوں کا حاصل یہ ہے کہ خارج میں وجود کی دوئی یا اثنینیت نہیں ہے بلکہ پوری کائنات میں صرف ایک ہی وجود ہے اور یہی وحدۃ الوجود کے نظریہ کی بھی حقیقت ہے کہ اس پوری کائنات کو صرف ایک وجود ماننا ہی اصل وجودیت ہے۔

وحدت الوجود کے مقام کا حصول ہی بہت سے صوفیہ کے نزدیک تصوف کی غایت اور آخری منزل ہے اس مقام پر تمام اسرار منکشف ہو جاتے ہیں اور جہالت کے پردے اٹھ جاتے ہیں۔اسی طرح ویدانت میں بھی سب سے آخری منزل یہی مانی جاتی ہے کہ انسان وجود کی دوئی کے احساس کو ختم کر دے اور اس کی نظر سے رَنگ و بھید مٹ جائیں اور وہ ذات واحد کا بغیر تعینات کے مشاہدہ کر لے۔

تصوف اور ویدانت کی دنیا کی یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس پر نہ تو تمام صوفیہ کا اتفاق ہے اور نہ تمام یوگیوں کا اتفاق ہے۔ بہت سے یوگی بھی وجود کی وحدت کو تسلیم نہیں کرتے ۔ بلکہ وجود کی دوئی کے قائل ہیں۔اس کے باوجود ایک بڑا طبقہ اسی کو حقیقت عظمیٰ تسلیم کرتا ہے۔ان کا خیال ہے کہ اس عظیم حقیقت کا ادراک سب کو نہیں ہوتا بلکہ بہت کم لوگوں کو ہوتا ہے۔ یہ مشکل راستہ ہے جس پر ہر کوئی چل نہیں سکتا۔اس لیے لوگ اپنی اپنی مذہبی شناختوں کے ساتھ جیتے ہیں،اور سب یہ سمجھتے ہیں کہ حق پر صرف وہی ہیں اور باقی سارے لوگ باطل کے پرستار ہیں۔ داراشکوہ کو بھی یہ احساس تھا کہ انھوں نے وجود واحد کا مشاہدہ کر لیا ہے۔

یہی وہ زمانہ ہے جب شہزادہ محمد داراشکوہ نے ہندو مذہب کے وسیع مطالعہ کا آغاز کیا تھا۔ انھوں نے ذاتی طور پر ہندو عالموں سے ملاقات کی، ہندو مذہب کو سمجھا اور ہندو مذہب کی کتابوں کا ترجمہ بھی کیا اور بعض کتابوں کا ترجمہ دوسروں سے بھی کروایا۔ اسی سلسلے میں انھوں نے 52 اپنشدوں کا فارسی زبان میں ترجمہ خود کیا تھا۔ یہ ترجمہ مذہبی اعتبار سے بھی بہت اہم ہے اور اس کی تاریخی اہمیت بھی ہے۔

داراشکوہ سے قبل ہندو اور مسلمانوں کے درمیان فاصلوں کو کم کرنے کے لیے جو کوششیں کی گئیں اور اس مقصد سے جن کتابوں کے ترجمے ہوئے ان میں عام طور پر مہابھارت اور رامائن وغیرہ جیسی عام مذہبی کتابوں کے ترجمے تھے۔ اکبر بادشاہ نے بھی انہی کتابوں کے ترجمے کروائے اور ان کے ذریعے ہندوستان کی عظیم صداقتوں، یہاں کے علم واخلاق اور حکمت ودانش کو فارسی میں پیش کروایا۔ ان کتابوں کے ترجمے کے علاوہ بعض کام اور بھی ہوئے تھے جو اسی طرح کے موضوعات پر کیے گئے اور ان کے کرنے والوں میں مسلمان بھی شامل تھے اور غیر مسلم بھی۔ بلکہ اس دوران بعض کام تو ایسے بھی تھے ایسے ہی موضوعات پر لیکن ترجمے نہیں تھے بلکہ طبع زاد کام تھے۔

لیکن اپنشد میں جو عظیم روحانی صداقت بیان کی گئی، تشبیہ وتنزیہہ کے جو مسائل ہیں اور نرگن برھما اور سگن برھما کی گفتگو ہے اس کا تفصیلی مطالعہ سب سے پہلے داراشکوہ نے کیا اور اس کے ذریعہ ہندوستانی مذاہب کے مطالعہ کی ایک نئی طرح کا آغاز ہوا۔ اب تک ہندو مذہب کو شرک اور بت پرستی سے جوڑ کر دیکھا جاتا تھا۔ توحید کی روایت کا زیادہ ذکر نہیں ہوتا تھا۔ لیکن اپنشد کے ترجمے سے ہندو مذہب کے مطالعہ میں توحید اور خدا کی تنزیہہ کے وہ مباحث بھی زیر بحث آئے جو بڑی حد تک مسلمانوں کے مذہبی نظریات سے ہم آہنگ تھے اصطلات کا فرق تو تھا لیکن مفاہیم تقریبا ایک جیسے تھے۔ داراشکوہ کی اس روایت نے ہندوستان کے اندر ایک نیا مذہبی مکالمہ شروع کیا جس کی بنیاد مہابھارت اور رامائن پر نہیں تھی بلکہ اپنشد جیسی وجدانی اور عرفانی کتابوں پر تھی۔

داراشکوہ سیاسی میدان میں ہار گئے اور ان کے بعد کے سیاسی حالات نے اس

مکالمہ کی روایت کو پوری طرح شروع نہیں ہونے دیا جو داراشکوہ نے شروع کیا تھا۔ داراشکوہ کے بعد اورنگ زیب نے حکومت کی اور ان کے فوراً بعد ہندوستان میں استعماری قوتوں کا دور شروع ہو گیا۔ اس کی وجہ سے ہمارے ملک کی پوری تہذیبی روایت ہی معرض خطر میں پڑ گئی۔ ان حالات میں وہ پورا منظرنامہ ہی تبدیل ہو گیا جو داراشکوہ اور ان کے دوسرے ہم خیال لوگوں نے تشکیل دیا تھا۔

بہرحال اپنی بساط بھر داراشکوہ نے اپنشدوں کی روایت بڑا فروغ دیا تھا۔ انھوں نے اپنشد کا ترجمہ ایسی رواں اور عام فہم زبان میں کیا جس کی وجہ سے ان کا افادہ عام ہو گیا۔ لوگ فارسی کے ذریعہ ہندو مذہب کی اس روایت سے واقف ہوئے۔ خاص طور پر بیرونی ممالک اور یوروپ میں ہندو دھرم کا ایک مذہب کی حیثیت سے تعارف اسی کتاب کے ذریعہ ہوا۔ لوگ ہندوستان کو جانتے تھے لیکن ہندو مذہب سے واقف نہیں تھے۔ ہندو مذہب کے عالمی تعارف کا سہرا داراشکوہ کے سر جاتا ہے۔ اپنشدوں کا ترجمہ جس کا فارسی نام سرّ اکبر ہے اس کے ذریعے یوروپ میں ہندو مذہب کا تعارف ہوا اور ہندو مذہب کے جدید مطالعہ کی بنیاد قائم ہوئی۔ لوگوں نے خاص طور پر یوروپ کے لوگوں نے اس کے بعد ہی ہندو دھرم کے مطالعہ کا آغاز کیا۔

اپنشد کا لفظی ترجمہ ہوتا ہے 'قریب بیٹھو'۔ اپنشد کوئی ایک کتاب نہیں ہے بلکہ اس نام سے بہت ساری کتابیں موجود ہیں۔ یہ تمام کتابیں ویدوں کی شرح ہیں۔ ان کتابوں کو یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کہ ان میں ویدوں کے استادوں نے مذہب، کائنات، برھما، زندگی اور موت سے متعلق ایسے اسرار اور رموز اور حقیقت عظمی کے ایسے گہرے راز کھولے ہیں جن کو عام لوگ صحیح طرح سے نہیں سمجھ سکتے۔ وہ راز جس زبان اور اسلوب میں بیان کیے جاتے ہیں ان کے ظاہری الفاظ سے عام لوگ دھوکہ کھا سکتے ہیں۔ اس لیے استاد اپنے کچھ مخصوص شاگردوں کو اپنے پاس بٹھا کر یہ اسرار اور یہ گہرے راز بیان کیا کرتے تھے۔ شاگردوں نے وہ مکالمات قلم بند کر لیے۔ چوں کہ یہ مکالمات استاد کے بہت قریب بیٹھ کر لکھے گئے تھے اس لیے ان کو اپنشد کہا جاتا ہے۔ اس طرح یہ کہہ سکتے ہیں کہ اپنشد ویدوں کی

وہ شرح ہے جو استاد نے مخصوص شاگردوں کو اپنے قریب بٹھا کر سمجھائی۔ چوں کہ اپنشدوں میں گہرے رازوں کا بیان ہے اس لیے داراشکوہ نے اُن کے ترجمہ کا نام 'سرّ اکبر' یعنی سب سے بڑا راز یا سرالاسرار یعنی رازوں کا راز رکھا۔

اپنشد کا یہ ترجمہ سنہ 1067ھ مطابق 1657ء میں مکمل ہوا۔ اس ترجمہ کے آغاز سے اختتام تک اس میں چھے مہینے لگے تھے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ ترجمہ داراشکوہ کی عمر بھر کی محنت کا نچوڑ تھا۔

داراشکوہ نے جب اپنشد کے ترجمہ کا ارادہ کیا تو مشہور ہے کہ انھوں نے پہلے خود سنسکرت زبان سیکھی، اس کے بعد بنارس سے کئی ماہر پنڈتوں کو بلوایا گیا اور ان کی مدد سے ان ۵۲ اپنشدوں کا ترجمہ کیا گیا۔ اس ترجمہ پر انھوں نے ایک مفصل دیباچہ بھی لکھا تھا جس میں اپنشدوں کی اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے اور اپنے ترجمہ کا بھی تعارف کرایا ہے۔

اپنشد کے اس ترجمے سے داراشکوہ کا ایک مقصد اس عظیم حقیقت اور سب سے بڑی سچائی کو جاننا تھا جو سارے سنسار میں پھیلی ہوئی ہے۔ انھوں نے اس ترجمہ کے مقدمے میں خود اس کی وضاحت کر دی ہے کہ:

''میں نے توحید یعنی ایکیشو رواد کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے بہت سے عارفوں سے ملاقات کی اور تصوف کی اکثر کتابوں کا مطالعہ کیا اور خود بھی رسالے لکھے، لیکن توحید تو ایک بحر ناپیدا کنار ہے یعنی ایسا دریا ہے جس کا کنارہ نہیں، جوں جوں میں نے اس کو سمجھنے کی کوشش کی، تیوں تیوں پیاس بڑھتی گئی۔ آخر دل میں آیا کہ توحید کو تو صرف خدا کے کلام سے سمجھا جا سکتا ہے۔ اس لیے قرآن مجید کا مطالعہ کیا۔ لیکن قرآن مجید کے پورے اسرار کے جاننے والے لوگ کم ہیں۔ اس لیے میں نے اِس کی مزید وضاحت کے لیے توریت، انجیل اور زبور کا مطالعہ کیا۔ لیکن ان کتابوں کے ترجمے اطمینان بخش نہیں تھے۔ اس لیے میں نے ارادہ کیا کہ ہندوستان میں بھی توحید الٰہی کے گہرے مضامین موجود ہیں اور اکثر قدیم علماء نے ان مضامین کو بیان کیا ہے۔ ان کو بھی سمجھنا چاہیے اس لیے میں نے ہندوستانی کتابوں یعنی اپنشدوں کا ترجمہ کیا۔ (ملخص)

داراشکوہ نے اس کے بعد بتایا ہے کہ ہندوستان میں چار آسمانی کتابیں ہیں: رگ وید، یجر وید، سام وید اور اتھروو ید۔ یہ کتابیں ان انبیاء پر نازل ہوئیں جو ہندوستان میں مبعوث ہوئے تھے۔ ان میں سب سے بزرگ خود برھما یعنی حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ اس کے بعد داراشکوہ نے قرآن کی وہ آیتیں نقل کی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ نے سب قوموں میں انبیاء بھیجے تھے۔

داراشکوہ نے اپنشد کی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ، ان میں چاروں ویدوں کا خلاصہ اور ان کے اسرار و رموز کے تفصیلی بیان کے ساتھ ساتھ توحید خالص کا بیان ہے۔ یہ ویدوں کی شرح ہیں اور ان کو اپنشد کہتے ہیں۔

یہاں ایک اور بات کا ذکر ضروری ہے کہ 'سرّ اکبر' کے بعض نسخوں میں اپنشد کی جگہ اپنکہت لکھا ہے۔ بعض مطبوعہ مقامات پر بھی اپنکہت ہی لکھا ہے اس لیے اس کا امکان ہے کہ اپنشدوں کو اپنکہت کہنے کی بھی کوئی روایت ہو۔ داراشکوہ کی نظر میں یہ اپنشد اسرار توحید کا سب سے اچھا بیان ہیں۔ البتہ ان کو یہ شکوہ ہے کہ ہندوؤں میں بھی ان اسرار کو کم ہی لوگ جانتے ہیں۔

داراشکوہ نے بنارس کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ اس قوم یعنی ہندوؤں کا دارالعلوم ہے۔ میں نے وہاں سے بہت سے پنڈت، سنیاسی اور اپنشد کے ماہرین بلائے اور ان کی مدد سے لفظاً لفظاً ان کا ترجمہ شروع کیا۔

ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ داراشکوہ نے اپنشد کا ترجمہ شروع کرنے سے پہلے قرآن مجید سے فال نکالا تھا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ داراشکوہ کی نظر میں یہ کام ایک خدمت تھی اور ظاہر ہے کہ یہ کام ایک خدمت سمجھ کر ہی کیا گیا تھا۔ چنانچہ اس کتاب کے مقدمہ میں خود بھی ذکر کیا ہے کہ اس کتاب کے ترجمہ سے میری غرض سوائے اس کے کچھ نہیں کہ میں خود اس کو سمجھوں اور اپنے دوستوں اور ساتھیوں کو بھی سمجھاؤں۔ انھوں نے اس کتاب کے پڑھنے والوں کو بھی یہی مشورہ دیا ہے کہ وہ تعصب و تنگ نظری کا چشمہ اتار کر ان کو سمجھیں۔

داراشکوہ نے اس ترجمہ کے دیباچہ میں صرف اپنشد کی اہمیت پر کلام کیا ہے۔ اپنے ترجمہ کے بارے میں صرف یہ لکھا ہے کہ یہ ترجمہ لفظاً لفظاً ہے۔ لیکن انھوں نے کسر نفسی سے اس کو لفظی ترجمہ لکھا ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ ترجمہ بہت معیاری ہے۔ اس ترجمہ کی زبان نہایت شستہ اور رواں دواں ہے۔ اس میں کوئی شک بھی نہیں کہ داراشکوہ کو فارسی نثر پر غیر معمولی قدرت حاصل تھی۔ ان کی تمام کتابوں میں معیاری زبان استعمال کی گئی ہے۔ 'سرّ اکبر' بھی زبان و بیان کے اعتبار سے ان کا ایک شاہکار ہے۔

داراشکوہ کے اس ترجمہ کی دو اہمیت خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ پہلی اہمیت تو یہ ہے کہ یہ ہندو مذہب کی روحانی روایت کا پہلا جامع مرقع ہے جس کا فارسی میں ترجمہ ہوا۔ اس سے پہلے مہابھارت، رامائن وغیرہ کے ترجمے تو ہوئے تھے لیکن اپنشد کے اسرار و رموز اور رہسیہ ابھی فارسی کے قارئین کے لیے دستیاب نہیں تھے۔ اس ترجمہ سے عام اہل علم کے لیے اپنشد کو سمجھنا آسان ہو گیا۔

دوسری اور سب سے بڑی اہمیت اس ترجمہ کی یہ ہے کہ اس کے ذریعے عالمی سطح پر ہندو مذہب کے مطالعہ کی بنیاد پڑی۔ اس کتاب کے ذریعے ہندو مذہب کی روحانی روایت سے اہل یوروپ واقف ہوئے۔ اس کتاب کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ ہوا۔ پھر جرمن زبان میں ترجمہ ہوا اور اس کے بعد یوروپ کے مستشرقین خاص طور پر جرمنی کے لوگوں نے ہندو مذہب کے تفصیلی مطالعہ کی بنیاد ڈالی۔

اپنشد کے اس ترجمہ کی عالمی اہمیت اپنی جگہ لیکن ساتھ ہی اس کی مقامی طور پر یعنی ہندوستان کے پس منظر میں بھی بڑی اہمیت ہے۔ تاہم اس بات کا تفصیلی ذکر کرنے کی زیادہ ضرورت نہیں ہے چوں کہ اس کتاب میں یہ مباحث کافی تفصیل سے آئے ہیں۔ البتہ اس موقع پر اس ترجمے میں سے نمونے کے طور پر کچھ باتیں نقل کی جاتی ہیں۔ جن سے اس کتاب اور اس کے ترجمہ کی اہمیت واضح ہو گی۔

جیسا کہ معلوم ہے تمام اپنشد کسی نہ کسی وید کی شرح ہیں، داراشکوہ نے اس ترجمہ میں ہر اپنشد کے بارے میں یہ وضاحت کر دی ہے کہ وہ کس وید کا اپنشد ہے۔ ایک اپنشد

مُنڈک اپنشد ہے۔اس میں انھوں نے آتما اور پرم آتما سے متعلق ایک مثال کا ترجمہ اس طرح کیا ہے کہ:

''دو خوب صورت پرندے ایک درخت پر بیٹھے ہیں۔ دونوں ایک دوسرے کے ساتھی ہیں، دوست ہیں اور ایک ہی شاخ پر رہتے ہیں۔ ان دونوں میں سے ایک اس درخت کے پھلوں کو میٹھا سمجھتا ہے اور انھیں کھاتا ہے۔ دوسرا کچھ نہیں کھاتا، صرف دیکھتا رہتا ہے۔ ان دو پرندوں میں سے جو کھاتا ہے وہ جیو آتما ہے اور جو صرف دیکھتا ہے وہ پرم آتما ہے۔ درخت سے مراد انسان کا جسم ہے اور میٹھے پھل اس کے اعمال ہیں جن کو جیو آتما اپنی جہالت کی وجہ سے استعمال کرتی ہے۔ جب اس پر حقیقت کھل جائے گی تو وہ بھی ان کو کھانا چھوڑ دے گی اور اس کو ہر طرح کی شانتی اور آسودگی حاصل ہو جائے گی۔''

ایک اور اپنشد ہے جس کا نام ہے 'اِیسا واسو اپنشد' اس کی ایک عبارت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے کہ:

''جو شخص تمام عناصر اور تمام جہانوں کو اپنے اندر دیکھتا ہے اور خود کو تمام عناصر اور تمام جہانوں کے اندر دیکھتا ہے، اس کی نظر میں کوئی چیز بری نہیں ہو سکتی اور وہ کسی چیز سے بھی نفرت نہیں کر سکتا اور اس کی نظر میں کوئی چیز بھی قابل مذمت نہیں ہو سکتی۔''

دارا شکوہ نے اس طرح اپنشدوں کی حکمت و دانش اور اسرار و رموز کو فارسی کا جامہ پہنایا اور جیسا کہ پہلے ذکر ہوا۔ دارا شکوہ کے اس ترجمہ سے اپنشدوں کا تعارف پوری دنیا میں ہوا اور ان کی مخفی حکمت اس وقت کے اہل علم کے سامنے آئی۔

اپنشد ویسے تو بہت ہیں لیکن 108 اپنشد زیادہ معتبر مانے جاتے ہیں۔ ان میں سے ۵۲ اپنشدوں کا یہ ترجمہ دارا شکوہ نے کیا ہے۔ ان 52 اپنشدوں میں بھی اور باقی تمام اپنشدوں میں بھی سب سے اہم مسئلہ ایشور یا برھما کی ہستی کا ہے۔ ان کتابوں میں برھما کی دو جہت بیان کی گئی ہیں۔ ایک نرگن برھما اور دوسرا اسگن برھما۔ نرگن برھما وہ جہت ہے جس کو

الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس کے لیے جو بھی بات کہی جائے گی وہ اس سے بھی بلند ہے۔ یہ تصور دوسرے مذاہب اور اقوام میں بھی ہے لیکن اس کا سب سے اچھا اظہار اپنشد کے اندر لفظ ''نیتی نیتی'' کے ذریعہ کیا گیا ہے۔ انگریزی میں اس کا ترجمہ Nagation of Nagation کیا جاتا ہے۔ لیکن وہ بھی اس کا پورا مفہوم ادا نہیں کر پاتا۔ یہ دراصل ایشور کی تنزیہ مطلق یا اس کے نرگن ہونے کا بیان ہے جہاں اس کے لیے کسی بھی چیز کو ثابت نہیں کیا جا سکتا۔

برھما کی دوسری جہت سگُن برہما کی ہے۔ اس کے مطابق برھما خالق کائنات ہے۔ وہ ازلی وابدی ہے، وہی اس کائنات کو چلا رہا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ وہ سب کا مالک ہے۔ وہ سراپا روشنی ہے، نور ہے، زندہ رکھنے والا اور مارنے والا وہی ہے۔

داراشکوہ کو اپنشد کی ان تعلیمات میں وہی روح نظر آئی جو صوفیہ کے یہاں موجود ہے۔ اس میں بھی خدا کی تنزیہہ کا عالم یہ ہے کہ اس کے لیے کچھ بھی ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ وہ وراء الوراء ہے۔ لیکن جب وہ مقام تشبیہ میں ہوتا ہے تو تمام صفات کمالیہ اس کے لیے ثابت ہیں۔ اس طرح داراشکوہ نے صوفیہ کی روایت کی تصدیق اپنشدوں میں دیکھی اور اس لیے اس نے اپنشدوں کا ترجمہ کیا۔ یہ ترجمہ خود ان کے لیے بھی علم کی ایک نئی دنیا سے واقف ہونے کا ذریعہ ثابت ہوا اور اس کے ذریعے انھوں نے ہندستانی علم وحکمت کی ایک مخفی شاخ کو سب کے سامنے پیش بھی کیا اور یہی دراصل اپنشدوں کے ترجمہ 'سرا کبر' کی اصل اہمیت ہے۔

اگر چہ یوگ کی روایت اور اپنشدوں میں بیان کردہ حقائق میں عموم خصوص کا من وجہٍ کا رشتہ ہے یعنی بعض آپس میں ملتی ہیں اور بعض کا دائرہ الگ ہے۔ لیکن یوگ بڑی حد تک ایک عملی میدان ہے اس میں ذاتی اعمال سے لے کر حکومت وسلطنت تک کے مسائل زیر بحث آتے ہیں۔

داراشکوہ اس روایت سے بھی بہت متأثر تھے۔ اس لیے انھوں نے یوگ پر بھی کام کیا۔ ان کی مصروفیات غالباً ان دنوں زیادہ تھیں اس لیے انھوں نے یوگ کا کام دوسروں

کے سپرد کیا۔ ان کی نگرانی میں دوسرے لوگوں یوگ کی مشہور کتاب جوگ بشسٹ کا فارسی ترجمہ کیا۔ اس ترجمہ پر تین صفحات کا ایک مقدمہ ہے اگرچہ اس میں داراشکوہ کا نام خصوصی احترام سے لیا گیا ہے جس سے اندازہ ہوتا کہ یہ مقدمہ مترجم نے لکھا ہوگا لیکن بعض لوگوں کی رائے ہے کہ یہ مقدمہ خود انھی کا لکھا ہوا ہے۔

اس مقدمے میں انھوں نے واضح طور پر لکھا ہے کہ جوگ بشسٹ کے کئی ترجمے موجود ہیں، اگرچہ آسانی سے دستیاب نہیں ہیں۔ لیکن مل جاتے ہیں۔ البتہ وہ ترجمے معیاری نہیں ہیں اور ان میں اصطلاحات کی وضاحت بھی پوری طرح نہیں کی گئی ہے۔ اس لیے داراشکوہ نے اس کتاب کا نیا ترجمہ کرنے کی خواہش کی اور ان کی مجلس کے کسی آدمی نے یہ ذمہ داری قبول کی اور اس کا ترجمہ کر دیا۔ مترجم کا نام معلوم نہیں ہے لیکن بعد میں لوگوں نے مترجم کا نام بھی متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔

جوگ بشسٹ کا ترجمہ داراشکوہ کے لیے ایک ذاتی دلچسپی کی بات بھی تھی۔ یہ دلچسپی اس لیے تھی کہ یہ کتاب دراصل رام چندر جی کی کہانی سے شروع ہوتی ہے جو ایک راجہ بھی تھے اور ''جیون مکت'' بھی تھے۔ اسی طرح داراشکوہ بھی ایک حاکم تھے۔ مہاراجا رام چندر جی راجا ہوتے ہوئے بھی جیون مکت کیسے ہوئے؟ اس کتاب میں اسی سوال کا جواب ہے۔ اسی لیے داراشکوہ کو اس کتاب سے زیادہ دل چسپی تھی۔ وہ ان اصولوں کو جاننا چاہتے تھے جن پر عمل کر کے ایک حاکم بھی 'جیون مکت' ہو سکتا ہے۔

کتاب کا آغاز اس طرح ہوتا ہے کہ بالمیکی کے ایک شاگرد مہارشی بھاردواج تھے۔ ایک دن انھوں نے تنہائی میں اپنے گرو سے پوچھا کہ آپ تو سب کچھ جاننے والے ہیں۔ مجھے یہ بتائیے کہ شری رام چندر جی اعلیٰ درجہ کی معرفت اور جیون مکت ہونے کے باوجود راج کے کام کیسے کر لیتے ہیں۔ بالمیکی نے جواب دیا کہ جو کچھ تم نے پوچھا ہے، اس کا جواب دیتا ہوں۔ اس جواب سے تیرے دل کا اندھیرا دور ہو جائے گا۔

اس تمہید کے بعد اصل کتاب کا آغاز ہوتا ہے۔ اس میں رام چندر جی کی مختصر سوانح بیان کرنے کے بعد مہارشی بالمیکی نے یوگ کے فلسفہ کی وضاحت کی ہے اور اس کو حاصل

کرنے کے طریقے بھی بتائے ہیں۔

یہ کتاب سات ابواب پر مشتمل ہے۔

داراشکوہ خود بھی ایک شہزادے تھے۔ تقدیر الٰہی کے فیصلے انسان کے اختیار سے بلند ہوتے ہیں ان کو حکومت حاصل نہ ہوسکی ورنہ اُس وقت ظاہری حالات ایسے تھے کہ وہ دنیا کی ایک بہت بڑی طاقت کے حکمراں بننے والے تھے۔

داراشکوہ فطرۃً صوفی تھے عملاً ایک حکمراں تھے۔ یعنی ان کو دین و دنیا کو باہم آمیز کرنا تھا۔ جوگ بشسٹ میں بھی دین و دنیا کو باہم آمیز کرنے کا طریقہ بیان کیا گیا تھا۔ اس لیے داراشکوہ نے بڑے اہتمام سے اس کتاب کا ترجمہ کروایا اور اس کی تعلیمات کو اپنی زندگی میں شامل کیا اور اپنی تصانیف کے ذریعے ان تعلیمات کو عوام کے اندر عام کرنے کی کوشش کی۔

جوگ بشسٹ کے علاوہ گیتا بھی یوگ کی مشہور کتاب ہے۔ داراشکوہ کے پاس اس کے بہت سے ترجمے تھے۔ ان ترجموں میں ان کو فیضی کا ترجمہ بہت پسند تھا۔ وہ اکثر ان کے مطالعے میں رہتا تھا۔

اِس وقت دنیا کے بعض کتب خانوں جیسے برٹش میوزیم میں گیتا کے ایسے نسخے موجود ہیں جن پر مترجم کی حیثیت سے داراشکوہ کا نام لکھا ہوا ہے۔ اس لیے داراشکوہ کے سوانح نگاروں میں اختلاف بھی ہے۔ کچھ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ داراشکوہ نے گیتا کا ترجمہ کیا تھا لیکن زیادہ تر کی رائے یہ ہے کہ بطور مترجم ان کا نام غلطی سے آ گیا۔ لیکن اس سے یہ تو اندازہ ہوتا ہے کہ داراشکوہ کو گیتا سے بہت دلچسپی تھی اور وہ اس کا نسخہ اکثر اپنے مطالعہ میں رکھتے تھے۔

داراشکوہ نے یوگ کی اس روایت کو سمجھنے کی کوشش کی کہ دنیا کے معمولات کو ادا کرتے ہوئے انسان جیون مکت کیسے ہوسکتا ہے۔ دین و دنیا کو ایک ساتھ کیسے اختیار کرسکتا ہے۔ داراشکوہ کو اس طریقہ سے اس لیے دلچسپی تھی کہ وہ دنیا کے امور اور حکمرانی کے ساتھ ساتھ اس مقام کو کیسے حاصل کرسکتے ہیں کہ وہ صوفی اور سنت کی زندگی بھی اختیار کیے رہیں

اور ساتھ ہی امور حکمرانی بھی انجام دیتے رہیں۔

اس لیے داراشکوہ نے یوگ پر کام کروایا۔ چوں کہ یوگ اور ویدانت پر ان کے کام ایک ہی زمانے کے ہیں اور ان میں یک گونہ مماثلت بھی ہے اس لیے ان دونوں کا ذکر ایک ساتھ کیا گیا ہے۔

●●●

بابا لال بیراگی کی خدمت میں

بابا لال بیراگی اپنے عہد کے ایک مرد کامل تھے۔ کچھ لوگوں نے لکھا ہے کہ وہ پنجاب میں قصور کے ایک کھتری خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ولسن نام کے ایک انگریز مورخ نے لکھا ہے کہ ان کا تعلق مالوہ سے تھا۔ ویسے تو رمتا جوگی اور بہتا پانی کا کوئی وطن نہیں ہوتا وہ جہاں ہوتے ہیں دوسروں کو فیض یاب کرتے ہیں۔ لیکن پھر بھی جائے پیدائش کی ایک نسبت ہوتی ہے۔ اگرچہ یقین کے ساتھ وطن معلوم نہیں ہے لیکن وہ ہیں شمالی ہند کے بزرگ۔ وہ خود بھی بڑے سادھو سنت تھے اور بکرماجیت حسرت کے مطابق ان کا ایک مستقل پنتھ یعنی مذہب بھی تھا۔ ان کے مذہب کا اتباع کرنے والے لوگ بڑودہ کے قریب اب بھی پائے جاتے ہیں۔ ان کا مسلک ''بابا لال کا سیلہ'' کہلاتا ہے۔

دارا شکوہ سے ان کی پہلی ملاقات آگرہ میں ہوئی تھی۔ اس ملاقات کی تفصیل تو دستیاب نہیں ہے۔ دارا شکوہ کے ایک سوانح نگار بکرماجیت حسرت نے اس ملاقات کا ذکر کیا ہے۔ ان کے دارا شکوہ کے لیے یہ خوش گوار تجربہ تھا۔ غالباً اسی ملاقات میں بابا لال نے دارا شکوہ کو نصیحت کرتے ہوئے کہا تھا کہ حق کے عارف ہر قوم میں ہوتے ہیں اس لیے سب کے ساتھ کشادہ دلی اور وسیع المشربی کا برتاؤ کرو۔

دارا شکوہ خود بھی اس ملاقات سے بہت مستفید ہوئے اور بابا لال کی شخصیت سے بھی بہت متأثر ہوئے۔ انھوں نے اپنی کتاب حسنات العارفین میں لکھا ہے کہ ہندو قوم میں بابا لال بیراگی بے مثال عارف اور مرد کامل ہیں۔

بابا لال بیراگی عہد جہانگیری اور عہد شاہ جہانی کے بہت مشہور سادھو، سنت اور درویش گزرے ہیں۔ افکار و نظریات کے اعتبار سے وہ وحدۃ الوجودی یعنی اکیشو روادی ہیں۔ داراشکوہ کے افکار و نظریات پر بابا لال بیراگی کا بہت اثر ہے۔ وہ ان کی فکر اور ان کی شخصیت دونوں سے بہت متاثر تھے۔ اسی لیے ان کی خدمت میں بھی رہے۔ داراشکوہ نے اپنی کتاب حسنات العارفین میں بابا لال کے بارے میں لکھا ہے کہ:

> ''بابا لال مندریہ ہندو مذہب کے عارفین کاملین یعنی پہنچے ہوئے لوگوں میں سے ہیں۔ میں نے ہندوؤں میں ان سے بڑا عارف کسی کو نہیں پایا، وہ بڑے وسیع المشرب یعنی اُدار وادی تھے۔ وہ تمام مذاہب کو یکساں خیال کرتے تھے۔ داراشکوہ نے مزید لکھا ہے کہ انھوں نے ایک مرتبہ مجھ سے فرمایا کہ'' ہر قوم میں عارف اور کامل لوگ گزرے ہیں۔ تم یاد رکھنا کہ حق تعالی ان کی برکت سے اس قوم کو یعنی اس بزرگ کے طریقہ پر چلنے والوں کو نجات دے سکتا ہے۔ اس لیے تم بلاوجہ کسی کی بزرگی کا انکار مت کرو۔''

داراشکوہ سے ان کی آخری ملاقات لاہور میں ہوئی۔ یہ نومبر دسمبر 1653 کا زمانہ تھا۔ ان دنوں داراشکوہ لاہور آئے ہوئے تھے۔ داراشکوہ نے بابا لال کے بارے میں سنا تو ان کے آشرم میں گئے اور وہاں تین دن رہے۔ اس کے بعد واپس آ گئے لیکن ان کو مزید روحانی تشنگی کا احساس ہوا تو دوبارہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تین دن اور ان کے آشرم میں قیام کیا۔ اس دوران داراشکوہ نے بابا لال بیراگی سے بہت سے سوالات بھی کیے، بابا لال نے ان کے جوابات دیئے۔ یہ سوالات اور ان کے جوابات کا مجموعہ'' مکالمہ شہزادہ داراشکوہ بابا لال بیراگی'' کے نام سے معروف ہے۔

داراشکوہ کے مزاج میں جو وسیع المشربی یا ادارتا ہے اس میں بابا لال کی صحبت کا بھی اثر ہے، بابا لال لوگوں کو مذہبی اصطلاحوں میں تقسیم نہیں کرتے تھے۔ بلکہ لفظ کے ذریعے معانی کی حقیقت تک پہنچانا چاہتے تھے، مثلاً اسی کتاب میں ایک سوال ہے کہ'' فقیر کو کیا بولنا چاہئے۔ بابا نے جواب دیا'' لا الہ الا اللہ''۔ بابا نے کلمہ عربی کا نقل کیا اور اس کے

ذریعہ توحید کی حقیقت کی طرف رہنمائی کی ،یعنی اصل حقیقت وہ ہے جوان الفاظ سے مراد ہے۔ یہ الفاظ اس حقیقت کی طرف اشارے اور رہنما ہیں۔

چوں کہ بابا لال بیراگی ہندو تھے اس لیے داراشکوہ کے زیادہ تر سوالات ہندو مذہب کو سمجھنے سے متعلق تھے۔ البتہ سوالات کا رخ بنیادی طور پر ویدانت اور روحانیت کی تفہیم کی طرف ہے۔

اگرچہ داراشکوہ اور بابا لال بیراگی کے اس مکالمہ کے اندر بہت سارے سوالات شامل ہیں۔ پھر بھی یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ مکالمہ مکمل نہیں ہے بلکہ یہ اصل مکالمے کا انتخاب ہے۔ ورنہ کئی دن کی طویل مجلسوں میں اس سے زیادہ گفتگو ہوئی ہوگی اور اس کا ایک ثبوت یہ بھی ہے خود داراشکوہ نے بابا لال بیراگی کے بعض ایسے ملفوظات حسنات العارفین میں نقل کیے ہیں جو اِس کتاب میں نہیں ہیں۔

حالاں کہ یہ کتاب ابواب اور موضوعات میں تقسیم نہیں ہے بلکہ کسی بھی موضوعاتی ترتیب کے بغیر یہ تمام سوالات اور ان کے جوابات یکجا کردیئے گئے ہیں۔ لیکن اگر ان کو غور سے پڑھا جائے تو مجموعی طور پر ان تمام سوالات کو دس موضوعات میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ داراشکوہ کے بارے نہایت تحقیقی کتاب بکرما جیت حسرت کی کتاب ''داراشکوہ لائف اینڈ ورک'' ہے اس کتاب میں بھی انھوں نے تقریباً یہی تقسیم اختیار کی ہے۔ وہ موضوعات حسب ذیل ہیں:

1۔ روحانیت کیا ہے۔
2۔ دل کیا ہے۔
3۔ نیند کیا ہے۔
4۔ نجات کیسے حاصل ہوسکتی ہے۔
5۔ کامل روحانیت کی علامات کیا ہیں۔
6۔ آتما اور پرماتما کا رشتہ کیا ہے۔
7۔ ہندو اساطیر کے مختلف پہلو۔

8۔ ہندو مذہب میں عبادت کا تصور۔

9۔ کاشی کی زیارت کی اہمیت اور حقیقت۔

10۔ تناسخ ارواح یعنی آوا گمن۔

داراشکوہ اور بابا لال بیراگی کا یہ مکالمہ بہت مشہور ہے اور مشرق و مغرب میں ہر جگہ مقبول رہا ہے، اس کے مواد اور طریق کلام پر بہت سے لوگوں نے گفتگو کی ہے۔ ان تبصروں میں ایک نمایاں بات یہ ہے کہ یہ مکالمہ عہد وسطی کے اندر دو مختلف مذاہب کے درمیان تفہیم کی راہیں نکالنے اور مشترکہ روحانی اقدار تلاش کرنے کی ایک کامیاب کاوش ہے۔ اس کتاب میں اسلوب بیان مناظراتی نہیں ہے بلکہ تفہیمی اور تلقینی ہے۔ یہ اسلوب اس زمانے میں کہیں نہیں تھا بلکہ مذہبی گفتگو کے نام پر ہر جگہ مذہبی مناظرے ہوتے تھے۔ ان مناظروں میں ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوشش ہوتی تھی۔ حقیقت کی تلاش کسی کو نہیں ہوتی تھی۔

اس مکالمہ کے آغاز سے پہلے اس مکالمہ کے بارے میں ایک سطر کا نوٹ لگایا ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ:

> ’جو اس مکالمہ کو پڑھ لے گا وہ دنیا اور اس کی حقیقت سے واقف ہو جائے گا‘۔
> حقیقت بھی یہی ہے کہ اس مکالمہ کے پڑھنے سے موہ اور مایا دونوں کی حقیقت قاری پر کھل جاتی ہے، پھر نہ موہ رہتا ہے اور نہ مایا‘

ظاہر ہے کہ اس مکالمہ کے اندر صرف الفاظ ہیں۔ ان الفاظ کے ذریعہ علم و گیان تو حاصل ہوتا ہے لیکن اس علم و گیان کی حقیقت حاصل نہیں ہوتی۔ اس کی حقیقت صرف دو طریقے سے حاصل ہوسکتی ہے یا تو کسی صاحب نظر کی صحبت میسر آجائے جو اپنی نگاہ کیمیا اثر سے دل کے کھوٹ دور کردے اور ایمان کی روشنی سے دل منور ہو جائے یا پھر سالک خود ہی محنت و ریاضت کرکے دل کو دنیا کی کدورت اور ظاہری چیزوں کی محبت سے پاک کرلے اور اس طرح دل کی اندھیری دور ہو جائے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ بغیر سلوک کی راہ میں محنت اور ریاضت کے مقامات بلند حاصل نہیں ہوسکتے۔ اس بات کو میواتی زبان کے ایک صوفی شاعر بھیک جی نے بڑی خوب

صورتی سے ایک شعر میں اس طرح بیان کیا ہے۔

محنت کر ری باوری بن محنت نہیں پان
بن محنت ریجھے نہیں گرو، دھنی، بھگوان

(یعنی اے بے وقوف محنت کر اس لیے کہ محنت کے بغیر نہ استاد کی توجہ ملتی ہے نہ مالک کی اور نہ بھگوان کی۔)

داراشکوہ اور بابالال کے اس مکالمہ کا اصل کمال یہ ہے کہ اس میں کائنات اور روحانیت کی اصل حقیقت واضح اور آسان الفاظ میں بیان کر دی گئی ہے۔ اس طرح گویا اس کتاب کے پڑھنے سے سلوک کی ایک منزل آسان ہو گئی۔ اب دوسری منزل باقی ہے۔ جس کے لیے مرشد کامل یا محنت کامل کی ضرورت ہے۔

ویسے تو اس مکالمہ کا ہر لفظ بہت قیمتی ہے۔ تاہم اس کے اسلوب کو سمجھنے کے لیے اس میں سے کچھ نمونے اور اقتباسات دیئے جاتے ہیں تا کہ مکالمہ کی مجموعی نوعیت اور اس کے مضامین کا اندازہ ہو سکے۔ مثلاً داراشکوہ نے پوچھا کہ ناد اور بید میں کیسے فرق کیا جائے۔ بابا لال نے شہزادے کے مقام کی رعایت کرتے ہوئے جواب دیا کہ جو فرق بادشاہ اور اس کے حکم میں ہے یعنی کوئی فرق نہیں اس لیے کہ بادشاہ کا اظہار اس کے حکم کے ذریعے ہی ہوتا ہے۔

ایک سوال کیا: فقیر کس چیز کا قیدی ہے۔ بابا نے جواب دیا: کھانا، پہننا، دیکھنا، سننا اور سونا انسان کے لیے قید ہیں۔ جو ان پر فتح حاصل کر لیتا ہے تو وہ گویا وہ قید سے چھوٹ جاتا ہے۔

داراشکوہ نے دریافت کیا کہ حضرت سارے ہی لوگ اپنے اپنے طریقے سے عبادت کرتے ہیں۔ یہ کیسے معلوم ہو گا کہ کسی کی عبادت قبول ہوئی یا نہیں۔

بابالال نے جواب دیا کہ اگر بندہ خود اپنی بندگی سے مطمئن ہے اور اس کو یقین ہے کہ اس نے ٹھیک طرح سے عبادت کی ہے، تو سمجھو کہ اس کی عبادت قبول ہو گئی۔ لیکن جو

بندہ خود کہتا ہے کہ میں ٹھیک سے عبادت نہیں کر پایا، مجھے سلیقے سے عبادت کرنی چاہئے تھی وغیرہ اس کی عبادت کیا قبول ہوگی؟ یعنی عبادت خدا اور بندے کے درمیان رابطہ استوار ہونے کا نام ہے اگر رابطہ ہو گیا تو عبادت مقبول ہوگئی، ورنہ نہیں ہوئی۔اس کی مزید وضاحت اس طرح ہوسکتی ہے کہ اگر زبان سے ذکر ہورہا ہے اور ذہن اپنے کسی بھائی کو نیچا دکھانے یا دنیاوی کاروبار میں مصروف ہے تو کیا عبادت ہوگی۔

داراشکوہ نے ایک سوال کیا کہ فقیر کن راہوں کا اسیر یعنی قیدی ہے؟ بابالال نے جواب دیا کہ فقیر وجود کا اسیر ہے یعنی کھانے، پینے، دیکھنے، سننے اور سونے کا، اگر کوئی ان پر قابو حاصل کر لے تو وہ کامل ہو جائے گا۔

داراشکوہ نے پھر دریافت کیا کہ حضرت کھانا، پینا، دیکھنا، سننا اور سونا یہ تو انسانی جسم کی ضرورت ہیں انسان یہ کام اس لیے کرتا ہے تا کہ اس کے اعضا میں طاقت آئے اور ان کے ذریعے زندگی کے دوسرے کام کیے جاسکیں۔راہ سلوک کے نیک لوگ ان پر قابو پانے کی بات کرتے ہیں لیکن قابو پانا تو اضافی ہے۔آپ اس سلسلے میں کیا فرماتے ہیں۔

بابالال بیراگی نے جواب دیا کہ اصل معاملہ ان خواہشات کا نہیں بلکہ دل کے اوپر قبضے کا ہے۔سالکین اپنے دل کی نگرانی کرتے ہیں اور ان خواہشات پر قابو رکھتے ہیں۔

مثلاً بچے اور جوان سب کے لیے یہ خواہشات یکساں قوت فراہم کرتی ہیں۔لیکن کچھ ایسے امور بھی ہیں جن میں بچے اور جوان یکساں نہیں ہیں۔جیسے اگر کوئی بچہ کسی نامحرم عورت کے ساتھ بغل گیر ہو تو اس کا برا نہیں مانا جاتا۔اس کے برخلاف جوان آدمی کی نگاہ بھی عیب مانی جاتی ہے۔تو جس طرح بچے کا دل ہے کہ اس کو عورت کی رغبت نہیں ہے اسی طرح سالک کا دل بھی ہونا چاہئے کہ اس کو دنیا کی کسی بھی لذت کی رغبت باقی نہ رہے۔ اس کے بعد چاہے جو کرے۔

داراشکوہ نے دریافت کیا کہ خالق اور مخلوق میں کیا فرق ہے؟ داراشکوہ نے اس سوال کی مزید وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ میں نے ایک اور جگہ یہ سوال کیا تھا تو وہاں مجھے بتایا گیا کہ خالق اور مخلوق کی مثال بیج اور اس کے درخت کی سی ہے۔آپ اس سلسلے میں کیا

کہتے ہیں؟

بابالال نے جواب دیا کہ خالق سمندر کی طرح ہے اور مخلوق کوزہ آب کی طرح ہے، دونوں جگہ پانی موجود ہے لیکن دونوں میں فرق نمایاں ہے۔

داراشکوہ نے پوچھا کہ پرم کس طرح سے آتما بن جاتا ہے اور پھر آتما کس طرح پرم ہو جاتی ہے۔ بابالال نے جواب دیا کہ جیسے پانی شراب بن جائے، پھر اسے مٹی میں گرادو تو پھر دوبارہ زمین کے اندر خالص پانی بن جائے یعنی انسان کے ساتھ جب تک دنیا کی آلائشیں ہیں وہ آتما رہے گا اور جب وہ اپنے آپ کو فنا کر لے گا تو پرم آتما بن جائے گا۔ داراشکوہ نے ایک اور سوال کیا کہ اکثر فقراء اپنے مخصوص لباس میں ہی لوگوں کے سامنے آتے ہیں۔ تاکہ لوگ ان کو پہچان سکیں یعنی ان کے اس طریقے میں ایک طرح کا دکھاوا ہے۔ کچھ اس پر اعتراض بھی کرتے ہیں۔ آپ کی کیا رائے ہے؟ بابالال بیراگی نے جواب دیا کہ اپنے آپ کو ظاہر کرنا منع نہیں ہے کوئی اس راستے سے جانا چاہے تو جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ ایک بات یہ بھی ہے کہ لباس پہچان ہوتا ہے، فقیر اگر اپنے لباس میں ہوگا تو لوگ اس کو پہچان لیں گے اور اگر کسی کو راہ سلوک کا کوئی مسئلہ دریافت کرنا ہوگا تو وہ فقیر کو لباس سے پہچان کر اس سے مسئلہ دریافت کر لے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ فقراء کا اپنے ظاہری لباس میں رہنا اچھا ہے۔

شہزادہ داراشکوہ نے دریافت کیا کہ فقیر کے سر پر کیا ہے یعنی اس کے سہارے کیا کیا ہیں، بابالال نے جواب دیا کہ فقیر کے سر پر سایہ خداوندی ہے۔ پھر پوچھا ہر آدمی کے آگے کیا ہے، بابا نے کہا موت ہے۔ پھر پوچھا فقیر کی عقل مندی کیا ہے اور بے وقوفی کیا ہے۔ حضرت نے جواب دیا فقیر کی دانش مندی کم کھانا ہے اور فقیر کی بے وقوفی زیادہ کھانا ہے۔

داراشکوہ نے اس مکالمہ میں شری رام چندر جی، سیتا جی اور راون کے استعارے میں بھی زندگی اور راہ سلوک کے حقائق سے متعلق سوالات کیے ہیں۔ رامائن کے اس واقعہ سے متعلق متعدد سوالات ہیں اور بابالال نے ان کے تفصیلی جواب دیے ہیں اسی طرح اور

بھی بہت سے سوالات ہیں۔جن میں گہرے فلسفیانہ اور روحانی اسرار پوشیدہ ہیں۔

مجموعی طور پر یہ کتاب ایسے اعلی اور دقیق مضامین پر مشتمل ہے کہ اس کو سمجھنے کے لیے بھی باضابطہ استاد کی ضرورت ہے۔اگر کوئی شخص ہندو دھرم میں ویدانت کی روایت اور اسلام کی تصوف و روحانیت کی روایت سے اچھی طرح واقف نہیں ہے تو وہ ان مفاہیم کو پوری طرح سمجھ بھی نہیں سکتا۔

بابالال بیراگی اور داراشکوہ کا یہ مکالمہ ایک طرف ہندوستان کی روحانی روایت کا ایک جامع تعارف ہے۔دوسری طرف ہندو مسلم روحانی روایات میں مشترک مقامات کی تلاش کرنے کی بھی سعی مشکور ہے اور استاد و شاگرد یعنی گرو و ششیہ کی روایات کا بہترین نمونہ ہے جہاں ایک مسلمان ششیہ اپنے ہندو گرو کے سامنے اپنی مشکلات اور سوالات رکھتا ہے اور ہندو گرو مسلمان شاگرد کی اصطلاحات کی رعایت کرتے ہوئے ان کے ذہنی خلجان اور اس کی مشکلات کو حل کرتے ہیں۔اس کے ساتھ یہ مکالمہ علم و روحانیت کی عظمت کی دلیل بھی ہے کہ اتنے بڑے ملک کا شہزادہ اور اپنے وقت کا امیر ترین آدمی بھی علم کی پیاس بجھانے کے لیے ایک فقیر کی کٹیا پر جاتا ہے اور شاگردوں کی طرح ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرتا ہے۔

مکالمہ بابالال بیراگی و شہزادہ داراشکوہ اگر چہ مختصر سی کتاب ہے لیکن اپنے مفاہیم اور معانی کے اعتبار سے بہت بلند ہے اور شہزادہ داراشکوہ کی ذہنی تعمیر و تشکیل میں اس کے بڑے اثرات ہیں، اس کتاب میں شہزادے کا ذہن پوری طرح کھل کر سامنے آتا ہے کہ اس کے اصل خلجان کیا ہیں اور اس کی مشکلات کیا ہیں۔

بہر حال داراشکوہ کے ذہن و فکر اور ان کے افکار و نظریات کی تفہیم کے لیے یہ کتاب بہت اہم ہے، ساتھ ہی ہندو مسلم مکالمہ کی روایت کے اعتبار سے بھی اس کتاب کی بہت اہمیت ہے۔

●●●

دیباچہ مرقع: ایک تعارف

شہزادہ محمد داراشکوہ کی تصنیفات کے ذیل میں یہ ذکر آچکا ہے کہ داراشکوہ نے یا پھر ان کی بیوی نادر بیگم اور داراشکوہ نے مل کر خطاطی اور مصوری کے کچھ نمونے جمع کر کے ایک مرقع یا البم بنایا تھا۔ان نمونوں پر مشتمل یہ مجموعہ یا مرقع (البم) موجود ہے۔اور اس کا اصل نسخہ انڈیا آفس لائبریری میں رکھا ہوا ہے۔

پرسی براؤن کے مطابق اس مرقع میں کل چالیس نمونے ہیں جن میں سے کچھ خطاطی کے نمونے ہیں اور کچھ تصاویر ہیں۔(1) لیکن پرسی براؤن کا مبہم بیان محل نظر ہے اس لیے ڈاکٹر سید عبداللہ نے اس میں 77 صفحات تک کے نمونوں کا ذکر کیا ہے۔

اگرچہ یہ مرقع اس وقت حکومت برطانیہ کا مملوکہ ہے لیکن ایک زمانے میں یہ ہندوستان کے شاہی کتب خانے کی زینت ہوا کرتا تھا۔اورنگ زیب نے اس کو اپنے شاہی کتب خانے میں محفوظ کرایا تھا۔ڈاکٹر سید عبداللہ نے اس مرقع کے سرورق کی ایک مہر نقل کی ہے جس پر لکھا ہے:

''سید علی الحسینی مرید بادشاہ عالم گیر سنہ 1069''

سید علی الحسینی اورنگ زیب کے زمانے میں شاہی کتب خانے میں کتاب دار یا ناظم کتب خانہ تھے۔(2) اس مہر سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ یہ مرقع اورنگ زیب نے اپنے کتب خانے میں داخل کرایا تھا۔پھر کسی وقت وہاں سے انگریزوں کے قبضے میں آگیا اور برطانیہ پہنچ گیا۔

پرسی براؤن نے بھی لکھا ہے اور ڈاکٹر سید عبداللہ نے بھی کہ اس مرقع پر سنہرے حروف میں شہزادہ داراشکوہ کے دستخط ہیں۔(3)

ڈاکٹر سید عبداللہ نے اس مرقع میں داراشکوہ کے دستخط اور بیوی کے نام پیشکش کی عبارت کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ مغشوش ہے، واضح طور پر پڑھی نہیں جاتی (4) اور بلا شبہ وہ عبارت ہے بھی مغشوش، مولوی محمد شفیع نے اس عبارت کا عکس بھی دیا ہے جس میں عبارت بہت واضح نہیں ہے، تاہم کوشش کرنے سے اس کی قرأت ہو جاتی ہے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ نے تو پوری عبارت نقل نہیں کی تھی، البتہ مولوی محمد شفیع نے پوری عبارت نقل کی ہے جو اس طرح ہے:

> ''این مرقع نفیس بانیس خاص و ہمدم وہمراز باختصاص نادرہ بیگم دادہ شد۔ محمد داراشکوہ ابن شاہجہاں بادشاہ غازی سنہ 1051۔''(5)

پرسی براؤن نے اس ترقیمے کی عبارت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:

> "This album was presented to his dearest and nearest friend, the Lady Nadirah Begum, by Prince Muhammad Dara Shikoh, son of the Emperor Shah Jahan, in the year 1051 (-A. D. 1641-2).'

اس عبارت سے یہ بات واضح ہے کہ یہ مرقع داراشکوہ نے اپنی بیوی نادر بیگم کو پیش کیا تھا۔ اس پیش کش کی تقریب کا پتہ نہیں چلتا۔ البتہ اگر دیباچہ مرقع کی عبارت کہیں سے پوری طرح قابل قرأت دستیاب ہو جائے تو ممکن ہے اس کی بھی عقدہ کشائی ہو جائے۔

ڈاکٹر سید عبداللہ نے اس میں شامل نمونوں کی تعداد تو نہیں لکھی لیکن یہ لکھا ہے کہ صفحہ کے ایک طرف تصویر ہوتی ہے اور دوسری طرف خطاطی کا نمونہ ہوتا ہے۔ انھوں نے اس مرقع میں سے صرف خطاط یا مصور کے دستخط کی عبارت نقل کی ہے ان نمونوں اور تصاویر کا تعارف نہیں کرایا۔ اس طرح انھوں نے 77 صفحات تک کی عبارتیں نقل کیں۔ پرسی

براؤن نے ان کی تصاویر کی تعداد 40 لکھی ہے اس لیے بظاہر اس میں چالیس تصاویر اور چالیس خطاطی کے نمونے شامل تھے۔

مولوی محمد شفیع نے اس مرقع کا نسبتاً تفصیلی تعارف کرایا ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ اس مرقع کے مندرجات پر سب سے پہلے اورنگ زیب کے ناظم کتب خانہ سید علی الحسینی نے تعارف لکھا ہے۔ ان کے مطابق اس مرقع میں 81 صفحات ہیں ان میں سے چار صفحات خالی ہیں اور دو صفحات کی تصاویر ضائع ہوگئیں ہیں۔ مجموعی طور پر 76 صفحات میں خطاطی کے نمونے ہیں اور 78 صفحات میں تصاویر ہیں۔ ناظم کتب خانہ نے اورنگ زیب کے دسویں سال جلوس یعنی 1669 میں اس کا یہ تعارف نامہ لکھا تھا۔ اس سے قبل سال جلوس 3 یعنی 1662 میں اس مرقع کی قیمت ایک ہزار روپیے مقرر کی تھی وہ بھی ناظم کتب خانہ نے اس کے پہلے صفحے پر بیان کردی ہے۔

مولوی محمد شفیع نے اس مرقع میں سے صرف مشہور خطاطوں کے نام ذکر کیے ہیں اور ان کے احوال بھی لکھے ہیں، لیکن مصوروں کے بارے میں کچھ نہیں لکھا البتہ ڈاکٹر سید عبداللہ نے ان میں سے جن صفحات پر کوئی عبارت یا کوئی دستخط ہے اس کو ذکر کیا ہے۔ انھوں نے جو نام ذکر کیے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

2: نمونہ کتابت محمد قدیمی

20/2 العبد علی کاتب

21/1 الفقیر المذنب میر علی الکاتب

21/2 ایک ایرانی نوجوان کی تصویر ہے۔ جام بھر رہا ہے۔ تصویر ہذا پہ درج ہے ''عمل محمد خاں مصور 1043''

21/1 نہایت عمدہ تصویر ہے جو ایرانی مصوری کا اعلی نمونہ ہے۔

27/1 الفقیر عبدالحسینی 1018

28/1 فقیر عبدالرحیم عنبرین قلم

29/1 کتبہ، العبد محمد حسین زرین قلم جہانگیر شاہی۔

37/1 ایک مغل تصویر نہایت عمدہ ہے کوئی شہزادی کسی درویش کے پاس بیٹھا ہے۔

39/1 نمونہ کتابت از سلطان محمد خندان

38/2 محمد بن اسحاق شہابی

40/2 نمونہ کتابت فقیر محمد الکشمیر ی

41/1 اور 41/2 پودوں کی نہایت عمدہ تصویریں

48/1 کسی امیر کی تصویر ہے۔ ہر دو طرف فقیر علی و میر علی لکھا ہے۔

58/2 وصایای اردشیر بابکان

60/9 نمونہ کتابت محمد شاہ محمود کاتب

62/2 کتبہ زین الدین محمود یہ سبز سیاہی میں لکھا ہے

60/2 فقیر محمد حسین زرین قلم اکبر شاہی

71/2 اور 72/1 پرندوں کی بہت عمدہ تصویریں ہیں

74/1 فرنگی عورت کی تصویر ہے جو کسی دوسرے فرنگی سے ملاقات کر رہی ہے۔

77/1 مشقہ سلطان محمد نور تجاوز اللہ عنہ کتابت سفید سیاہی میں ہے سیاہ زمین پر ہے اور نام گلابی رنگ میں لکھا ہے۔(6)

ایسے مرقع اور بھی بہت سے لوگوں نے مرتب کیے تھے۔ پرسی براؤن نے لکھا ہے کہ 67 مرقع تو اکیلے مسٹر ریچرڈ جانسن ہندوستان سے لے کر برطانیہ گئے تھے۔(7) ان مرقعوں کی یہ روایت رہی ہے کہ ان پر مقدمات لکھے جاتے رہے ہیں جس میں عام طور مرقع مرتب کرنے کی وجہ کا بیان ہوتا ہے۔ انڈیا آفس میں داراشکوہ کے مرقع کا جو نسخہ ہے اس بظاہر میں کوئی مقدمہ یا دیباچہ شامل نہیں ہے اس لیے کہ اس کا تذکرہ کسی نے نہیں کیا ہے۔ البتہ ڈاکٹر سید عبداللہ نے لکھا ہے کہ اس مرقع کے دیباچہ کی عبارت 'نگارستان منیر' نامی ایک مخطوطے میں شامل ہے۔ یہ نسخہ قومی کتب خانہ پیرس میں محفوظ ہے۔ سید عبداللہ نے وہاں سے یہ نسخہ نقل کیا ہے۔ انھوں نے مزید لکھا ہے کہ اس کے دو نسخے انھوں نے اور دیکھے تھے ایک کتب خانہ بوڈلین آکسفورڈ میں اور دوسرا بابائے اردو مولوی عبدالحق کے کتب خانہ،

اورنگ آباد میں لیکن ان میں سے کوئی بھی نسخہ قابل اطمینان حد تک صاف نہیں ہے۔(8) بہر حال پیرس کے نسخہ کی وہ کاپی اس مضمون کے ساتھ شامل ہے جو ڈاکٹر سید عبداللہ نے اورینٹل کالج میگزین، مئی 1937 میں شائع کرائی تھی۔

پرسی براؤن نے اپنی کتاب Indian Painting Under The Mughals میں اس مرقع کا تعارف کرایا ہے۔ پرسی براؤن نے اس کی روشنی بڑے 'گہرے' نکتے بھی اخذ کیے ہیں۔ مثلاً لکھا ہے کہ محمد داراشکوہ کیتھولک عیسائی تھے۔ دلیل یہ دی ہے کہ انھوں نے اس البم میں کئی عیسائی لوگوں کی تصویریں بھی شامل کی ہیں۔ اور 'سینٹ کیتھرین آف سینا' کی تصویر بھی شامل کی ہے۔ ان کی عبارت ہے:

> That he was catholic in his views is also proved by the presence of several European engravings among its pages, one of which (fol. 43) depicts St. Catherine of Siena' and bears its own date of 1585. (9)

پرسی براؤن نے جس دلیل سے یہ ثابت کیا ہے کہ داراشکوہ عیسائی تھے اس دلیل سے تو سارا یوروپ مسلمان ثابت ہو جائے گا۔ اس لیے کہ اگر کسی پادری کی تصویر اپنے البم میں رکھنے سے محمد داراشکوہ عیسائی ہو سکتے ہیں تو یورپ کے میوزیموں میں مسلمانوں کی تصویریں رکھی ہوئی ہیں۔ حالاں کہ داراشکوہ کے اس مرقع میں بھی زیادہ تر تصویریں مسلمانوں کی ہیں، پرسی براؤن نے ان سے کچھ ثابت نہیں کیا۔ اس کے علاوہ دیکھنے کی بات یہ بھی ہے کہ داراشکوہ نے اپنی کسی تحریر میں ایک مرتبہ بھی عیسائیت کے لیے کوئی کلمہ خیر نہیں لکھا ہے۔ داراشکوہ بلاشبہ تمام مذاہب کا احترام کرتے تھے، عیسائیت کا بھی احترام کرتے تھے، ان کے ایک دو مرتبہ گرجا گھر میں جانے کا بھی تذکرہ موجود ہے، لیکن انھوں نے عیسائیت کے بارے میں کچھ لکھا نہیں ہے۔ اس کے برخلاف انھوں نے ہندو مذہب کی تعریف بھی کی ہے، ہندو مذہب پر لکھا بھی ہے، ہندو سنیاسیوں کی صرف تصویریں ہی اپنے پاس نہیں رکھیں بلکہ ان کی کٹیاؤں میں وہ جا کر رہے بھی ہیں۔ ان سب باتوں سے ان کی وسیع المشربی اور ان کی کشادہ دلی ثابت ہوتی ہیں ان کا ہندو یا عیسائی ہونا ثابت نہیں

ہوتا۔اہل مغرب ایسے ہی دور دراز نکتے لا کر بلا وجہ کے مسائل کھڑے کرتے ہیں۔

اسی طرح اس مرقع کی تصاویر سے ایک نتیجہ یہ اخذ کیا ہے کہ یہ مرقع چوں کہ ایک خاتون کو دیا جانا تھا اس لیے شہزادہ محمد داراشکوہ نے اس میں زیادہ تر عورتوں کی تصاویر ہی شامل کی ہیں:

> Although on the other hand they may have been chosen for the femininity of their character, as the volume formed a present to a Lady. (10)

لیکن جیسا کہ ڈاکٹر سید عبداللہ کی تحریر سے واضح ہے اس میں زیادہ تر تصاویر مردوں کی ہیں۔اس لیے یہ کہہ سکتے ہیں کہ پرسی براؤن کی نکتہ آفرینی مغلوں نے نفرت کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔

پرسی براؤن نے اس مرقع کی زیادہ تعریف نہیں کی ہے۔اس کی اہمیت کا بھی پوری طرح اعتراف نہیں کیا ہے لیکن اہل علم میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو اس غیر معمولی مرقع کی تاریخی اور فنی اہمیت کا ادراک کرتے ہیں۔ڈاکٹر سید عبداللہ نے اس کے بارے میں لکھا ہے کہ:

> ’’یہ بیش بہا خزانہ جو مغل عہد کی تصویر کشی کا ایک نہایت اعلیٰ نمونہ ہے، یہاں موجود ہے۔‘‘(11)

یوروپ میں بھی انصاف پسند لوگ ہوتے ہیں مثلاً سیسل ایل برنس(Cecil l.Burns)نے Times of India میں 1925 میں لکھا تھا:(12)

> "What the Koh-i-Noor is to other eastern diamonds, surely this richly bound volume in wrought leather, containing miniatures by Persian, Central Asian and Mughal artists, and specimens of Calligraphy of the highest quality of the penman's and painter's art, must be to any other volume of a similar character…

The album is similar to such a one as Vasaris, The great biographer of the Renaissance in Italy, prepared of the drawings of the artists of that period. ......All are of the highest quality of the schools represented, and afford a striking testimony to the knowledge and taste of the Prince who selected them."

یعنی دوسرے مشرقی ہیروں کے سامنے جو اہمیت کوہ نور کی ہے (گویا وہی اہمیت اس مرقع کی ہے) اس مرقع میں ایرانی، وسط ایشیا، اور مغل فنکاروں کی بے مثال مصوری کے اور خطاطی کے نمونے ہیں۔۔۔ یہ سب بہت اعلی معیاری نمونے ہیں اور اس شہزادے کے علم وفضل اور ذوق کی دلیل ہیں جس نے ان کو جمع کیا تھا۔(ملخص)

مرقع داراشکوہی کی غیر معمولی تاریخی اہمیت ہے۔ یہ مرقع ایک شہزادے نے مرتب کیا، اس کو شہزادے نے اپنی بیگم کے لیے مرتب کیا اور ان کی خدمت میں پیش بھی کیا اور بعد میں اس کو اورنگ زیب نے اپنے کتب خانے کی زینت بنایا وغیرہ اس کی تاریخی اہمیت کے ثبوت ہیں اور اس میں جو مواد ہے اس کی اہمیت پر تو ابھی کلام ہونا باقی ہے پرسی براؤن کی تحریر سے اس کا کوئی معیار متعین نہیں ہوتا۔ پرسی براؤن نے اس میں سے پھولوں کی ایک تصویر بھی نقل کی ہے لیکن تاریخی اہمیت کی تصاویر نقل نہیں کیں۔

داراشکوہ نے، جیسا کہ پہلے ذکر ہوا اس مرقع کے لیے ایک دیباچہ بھی لکھا تھا یہ دیباچہ سب سے پہلے ڈاکٹر سید عبداللہ چغتائی نے مئی ۱۹۳۷ کے اورینٹل کالج میگزین، لاہور میں شائع کیا تھا۔ یہ نسخہ غلطیوں سے مبرا نہیں ہے۔ اصل نسخہ پیرس میں ہے۔ ابھی تک اس کی قابل اعتماد اشاعت کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں مل سکی اس لیے اس کے اس مختصر تعارف پر اکتفا کیا جارہا ہے۔

●●●

حواشی:

1۔ Cosmose Percy Brown:Indian Painting Under The Mughals, Publication, Delhi, 1987, P.95

2۔ عبداللہ چغتائی ڈاکٹر،سید: مرقع داراشکوہ اوراس کا مقدمہ،مشمولہ،اورینٹل کالج میگزین لاہور، مئی1937

3۔ ایضاً

4 ایضاً

5 ڈاکٹرمولوی محمد شفیع: مرقع داراشکوہ،مشمولہ،اورینٹل کالج میگزین لاہور،فروری1955

6 ایضاً

7 Percy Brown,P.24

8 ۔ اورینٹل کالج میگزین لاہور

9۔ ایضاًPercy Brown,P.95

10۔ ایضاً

11۔ اورینٹل کالج میگزین لاہور

12۔ Majmaul Bahrain:Text and Tranlation by prof Mahfoozul Haqu, Calcutta, 1929,pp.22

●●●

مکالمہ با فتح علی قلندر

داراشکوہ نے اپنے سفر سلوک کے دوران مختلف علماء و اصحاب سلوک کی خدمت میں رہ کر سوالات کیے اور اس راہ کو سمجھنے کی کوشش ۔کی اسی سلسلے میں وہ بابا لال بیراگی کی خدمت میں بھی گئے اور اسی سلسلے میں وہ حضرت شاہ فتح قلندر کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے اور ان سے راہ سلوک کی مشکلات کے بارے میں سوالات کیے پھر ان سوالات اور ان کے جوابات کو کتاب کی شکل میں مدون کر دیا۔ یہ اگرچہ مختصر سا کتابچہ ہے لیکن اس میں بڑے گہرے معنی اور سلوک کے کئی مشکل مسائل حل کیے گئے ہیں۔

داراشکوہ کے اس کتابچہ کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ میر ضامن علی، شاہ گنج آگرہ میں موجود ہے اس نسخہ سے ڈاکٹر تاراچند اور پروفیسر امیر حسن عابدی نے اس رسالے کو جوگ بشسٹ کے فارسی نسخے میں اپنے مقدمے کے اندر شامل کر دیا ہے۔

تصوف اور سلوک کے اعتبار سے یہ نسخہ بہت اہم ہے۔ یہ نسخہ ابھی فارسی زبان میں ہی ہے یعنی ابھی اس کا ترجمہ نہیں ہوا ہے۔ جوگ بشسٹ کے مقدمے سے پہلے یہ کہیں شائع بھی نہیں ہوا تھا۔اس لیے اس کی اہمیت اور افادیت کے پیش نظر اس کو یہاں شائع کیا جا رہا ہے اور اس کا ترجمہ بھی پہلی مرتبہ شائع کیا جا رہا ہے۔

حضرت شاہ فتح قلندر مجاذیب صوفیہ میں سے تھے۔ان کے بارے میں تفصیلی حالات تو نہیں ملتے جیسا کہ اس مخطوطہ کے ترقیمہ سے معلوم ہوتا ہے وہ حضرت شاہ محی قلندر لاہر پوری کے خلیفہ تھے۔تذکرہ صبح صادق کے مصنف نے حضرت شاہ فتح قلندر اور ان کے

پیر کے بارے میں اتنا لکھا ہے وہ اوران کے پیر شاہ محی قلندر دونوں جون پور کے اکابر فضلا میں سے ہیں اور میرے دوستوں میں سے ہیں۔(محمد صادق صادقی: تذکرہ صبح صادق، مخطوطہ،مخزونہ،علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی؛ جوگ بششٹ ، بہ کوشش ڈاکٹر تاراچند و پروفیسر امیر حسن عابدی،علی گڑھ 1968،)

●●●

مکالمہ با فتح علی قلندر (فارسی)

سوال اول داراشکوہ: چیست اندراین راہ بدایت کار ونہایت کار؟

جواب از حضرت شاہ فتح قلندر قدس سرہ: چیست اندرین راہ بدایت کار ونہایت کار؟
چناں چہ مجذوب شیرازی میفرمایید:

کاین راہ را نہایت صورت کجا توان بست
کش صد ہزار منزل پیش است از بدایت

سوال دوم از داراشکوہ: چیست معنی آنکہ سید الطائفین در جواب سوال "ما النہایۃ فرمودہ کہ 'ھی الرجوع الی البدایۃ'۔

جواب از حضرت شاہ فتح قلندر: یعنی در عین استغراق ذوق احدیت سخن زوجیہ گوید، یعنی تکلموا الناس علی قدر عقولھم، چنانکہ موحد ہندی میگوید:

کبیرا بلی جائے واپر کھ کے جو من ہی مجد جائے

سوال سوم داراشکوہ: کدام علم است کہ آن را حجاب اکبر گویند؟

جواب از حضرت شاہ فتح قلندر: علم خدا است، یعنی دانستن خدا۔

علم حق در علم صوفی گم شود
این سخن کی باور مردم شود

سوال چہارم داراشکوہ: انبیاء سابق را معرفت توحید بود یا نہ؟

جواب از حضرت شاہ فتح قلندر: بود، ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

سوال پنجم داراشکوه: ترقی راه باطن رانهایت بود یانه؟

جواب از حضرت شاه فتح قلندر: در مرتبه یافت ترقی شخصی نهایت دارد که آن عبارت از اطمینان قلب عاشقان است، هر چند ذوق این یافت نهایت ندارد۔

سوال ششم داراشکوہ: "ظلوماً جهولا" در مذمت انسان است یا در مدح ؟

جواب از حضرت شاه فتح قلندر: هر چند ظاهر این الفاظ ظلوم جهول مذمت انسان معلوم میگردد، اما بدیده باطن بنورالله جز کمال وی دیگر چیز ظاهر نمی گردد، که از کمال خود دست خود بر داشته و خود را از خود فراموش ساخته ؛ پس این مدح در روی قدح واقع است:

عجب حال این امینی راست بنگر
بصحرا دزد در خانه برادر

سوال ہفتم داراشکوہ: معدوم شدن موجود محال باشد ؛ پس اشاء موجوده را چون معدوم توان گفت؟

جواب از حضرت فتح قلندر: هرگاه معدوم شدن موجود محال باشد، پس اشیا موجوده را چون معدوم توان گفت؟ الموجود موجود والمعدوم معدوم، فہم من فہم.

سوال ہشتم داراشکوہ: تصور را اعتبار بود یانه؟

جواب از حضرت فتح قلندر: در تصوری که تصدیق شهود مطلوب خود است بحسب واقع اعتبار دارد۔

سوال نہم داراشکوہ: کدام شغلی است که بے اختیار شاغل صادر باشد۔

جواب از حضرت فتح قلندر: شغلی باشد که از بے اختیاری شاغل صادر باشد؛ لیکن برفرموده مرشد موقوف، که نهایت اختیار هر کاری بی اختیار آن کار است.

سوال   دہم داراشکوہ: نماز بے خطرہ کی بود؟

جواب   ازحضرت شاہ فتح قلندر: چون خطر خطرہ نبود.

سوال   یازدہم داراشکوہ: درانسان شناخت محض برابر بود یانہ۔

جواب   ازحضرت شاہ فتح قلندر: برابر، چوں ظہورش راہیچ موانع نبود۔

سوال   دوازدہم داراشکوہ: ازتربیت ارواح معرفت عام حاصل گردد یانہ؟

جواب   ازحضرت شاہ فتح قلندر: در طالب اگر استعداد ظہور کمال بودہ باشد، از تربیتش معرفت تمام حاصل می شود، چناں چہ ایں درویش را ہر لذتی و ذوقی وشوقی در باطن روی دادمی شد۔ ترغیب وتحسین ہماں مذاق از راہ کمال بہر یک روح کمال مشاہدہ می کرد۔

سوال   سیزدہم داراشکوہ: بے نہایت دردل چگونہ گنجد۔

جواب   ازحضرت شاہ فتح قلندر: بے نہایت دردل چگونہ گنجد؟

حلول و اتحاد اینجا محال است
زعین وحدتش این خود ضلال است

سوال   چہاردہم داراشکوہ طالب فانی گردد یانہ؟

جواب   ازحضرت شاہ فتح قلندر: طالب فانی گردد با مطلوب۔

سوال   پانزدہم داراشکوہ، طالب رابعد از موت وصل ممکن بود یانہ؟

جواب   ازحضرت شاہ فتح قلندر: بی معرفت طالب وصل ممکن نباشد "الموت جد یوصل الحبیب الی الحبیب" شاہد این قول ست۔

نی چنان مرگی کہ در گوری روی
مرگ تبدیلی کہ در نوری روی

ہذا مشاہد۔

سوال شانزدہم داراشکوہ، درمیان درد و عشق فرق چیست ؟

جواب حضرت شاہ فتح قلندر: عشق خاص است و درد عام۔

سوال و جواب داراشکوہ و حضرت شاہ فتح قلندر جون پوری قدس اللہ سرہ خلیفہ حضرت شاہ محی قلندر لاہر پوری قدس اللہ سرہ

●●●

مکالمہ با فتح علی قلندرؒ (اردو ترجمہ)

(حضرت فتح علی قلندر علیہ الرحمہ کے الفاظ نہایت عالمانہ اور جذب وادراک میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ حتی الوسع الفاظ کے قریب رہتے ہوئے ان کے مفہوم کو اردو زبان میں ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔ پھر بھی یہ ایک طالب علمیانہ کوشش ہے۔ اس کوئی غلطی رہ جائے تو معافی کی درخواست ہے۔)

داراشکوہ کا پہلا سوال: اس راہ یعنی راہ سلوک میں آغاز اور انجام کیا ہے؟

حضرت شاہ فتح قلندر قدس سرہٗ کا جواب: اس راہ یعنی راہ سلوک میں آغاز اور انجام کیا ہے؟ مجذوب شیرازی نے کیا خوب فرمایا ہے:

اس راہ کی انتہا کہاں ہو سکتی ہے؟
چوں کہ ابتدا سے ہی سیکڑوں ہزار منزلیں سامنے ہیں

داراشکوہ کا دوسرا سوال: اس کا کیا مطلب ہے کہ سید الطائفہ نے انتہا کیا ہے کے جواب میں کہا کہ وہ ابتدا کی طرف لوٹنا ہے؟

حضرت شاہ فتح قلندرؒ کا جواب: یعنی سالکین جب حالت استغراق میں ہوتے ہیں تو وہ مبہم بات کہتے ہیں، لیکن لوگوں سے ان کی عقل کے مطابق بولنا چاہیے۔ جیسا کہ ہندستانی عارف نے کہا ہے:

کبیرا بلی جائے وا پر کھ کے جو من ہی مہجد جائے

داراشکوہ کا تیسرا سوال: وہ کون سا علم ہے جس کو حجاب اکبر کہا جاتا ہے؟

حضرت شاہ فتح قلندرؒ کا جواب: خدا کی معرفت یعنی خدا کو جاننا:

حق کا علم صوفی کے علم میں گم ہو جاتا ہے
لیکن لوگ اس بات پر کیسے یقین کر سکتے ہیں؟

داراشکوہ کا چوتھا سوال: کیا انبیاء سابقین کو توحید کی معرفت تھی یا نہیں؟

حضرت شاہ فتح قلندرؒ کا جواب: ان کو توحید کی معرفت حاصل تھی۔ یہ اللہ کا فضل ہے وہ جس کو چاہے عطا فرماتا ہے۔

داراشکوہ کا پانچواں سوال: راہ باطن کی ترقی کی کوئی انتہا ہے یا نہیں؟

حضرت شاہ فتح قلندر رحمۃ اللہ علیہ کا جواب: جہاں تک نفس حصول کا تعلق ہے تو شخصی اعتبار سے اس کی انتہا ہوتی ہے، اس لیے اس راہ میں انتہا کا مطلب ہے عاشق کے دل کا اطمینان، سالک کا اطمینان ہی اس راہ کی انتہا ہے۔ البتہ اس کے حصول کے ذوق کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

داراشکوہ کا چھٹا سوال: " ظلوما جھولا " انسان کی مذمت میں ہے یا تعریف میں؟

حضرت شاہ فتح قلندرؒ کا جواب: اگرچہ ان الفاظ کے ظاہری انداز سے انسان کی مذمت معلوم ہوتی ہے، لیکن اگر اللہ کے نور کے ساتھ چشم باطن سے دیکھا جائے تو اس میں انسان کے کمال کے سوا کچھ نظر نہیں آتا، کہ اس نے اپنے کمال سے اپنا ہی ہاتھ اٹھالیا ہے اور خود کو ہی خود سے فراموش کر دیا ہے۔ پس یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ قدح کے پردے میں مدح ہے۔

اس امانت دار کا حال کتنا عجیب ہے، دیکھو
چور جنگل میں ہے اور بھائی گھر میں

داراشکوہ کا ساتواں سوال: موجودات کا معدوم ہو جانا ناممکن ہے۔ تو پھر موجودات کو معدوم کیسے کہا جا سکتا ہے؟

حضرت فتح قلندر کا جواب: اگرچہ موجودات کا معدوم ہو جانا ناممکن ہے۔ تو پھر موجودات کو معدوم کیسے کہا جا سکتا ہے؟ جو موجود ہے وہ موجود ہے اور جو معدوم ہے وہ

معدوم ہے۔ جو سمجھ گیا سو سمجھ گا۔

داراشکوہ کا آٹھواں سوال: کیا تصور کا کوئی اعتبار ہے؟

حضرت فتح قلندرؒ کا جواب: وہ تصور جو اپنے مطلوب کے مشاہدے کی تصدیق ہے اس کا اپنی واقعیت کے لحاظ سے اعتبار ہے۔

داراشکوہ کا نواں سوال: کون سا کام ہے جو شاغل سے اس کے اختیار کے بغیر صادر ہوتا ہے۔

حضرت فتح قلندر کا جواب: ہر ایسا کام جو شاغل کے اختیار کے بغیر صادر ہو وہ مرشد کے فرمان پر موقوف ہوتا ہے، اس لیے کہ ہر کام میں اختیار کی انتہا دراصل بے اختیاری ہی ہے۔

داراشکوہ کا دسواں سوال: بے وسوسے کی نماز کب ہوتی ہے؟

حضرت شاہ فتح قلندرؒ کا جواب: جب وسوسے کا ڈر نہ ہو۔

داراشکوہ کا گیارہواں سوال: انسان کے اندر مطلق معرفت یکساں ہوتی ہے یا نہیں؟

حضرت شاہ فتح قلندر کا جواب: یکساں ہوتی ہے، اسی طرح اس کے ظہور میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

داراشکوہ کا بارھواں سوال: روح کی تربیت سے مکمل معرفت حاصل ہوسکتی ہے یا نہیں؟

حضرت شاہ فتح قلندرؒ کا جواب: طالب کے اندر اگر استعداد کا ظہور کامل ہو تو ان کی تربیت سے مکمل معرفت حاصل ہوسکتی ہے۔ چناں چہ اس درویش (حضرت فتح قلندر) کو جو لذت، ذوق اور شوق حاصل ہوا اس ذوق کی ترغیب اور تحسین کا راہ کمال سے ہر ایک روح کمال میں مشاہدہ کیا۔

داراشکوہ کا تیرہواں سوال: بے نہایت یعنی انحد دل کے اندر کیسے سما سکتا ہے؟

حضرت شاہ فتح قلندرؒ کا جواب: بے نہایت یعنی انحد دل کے اندر کیسے سما سکتا ہے؟ حلول اور اتحاد یہاں ناممکن ہے۔

اس کی وحدت کے عین کے اعتبار سے یہ خود گمراہی ہے۔

داراشکوہ کا چودھواں سوال: طالب کو فنا حاصل ہوتی ہے یا نہیں؟

حضرت شاہ فتح قلندرؒ کا جواب: طالب کو اپنے مطلوبہ کے ساتھ فنا حاصل ہو جاتی ہے۔

داراشکوہ کا پندرھواں سوال: کیا طالب کو موت کو بعد وصل ممکن ہے یا نہیں؟

حضرت شاہ فتح قلندر کا جواب: بے معرفت طالب کو وصل نہیں ہو سکتا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ "موت وہ راستہ ہے جو حبیب کو حبیب سے ملاتا ہے۔"

ایسی موت نہیں چاہیے کہ انسان قبر میں چلا جائے

موت ایک ایسی تبدیلی ہونی چاہیے کہ انسان نور میں جائے۔

ہذا مشاہد۔

داراشکوہ کا سولہواں سوال: درد اور عشق میں کیا فرق ہے؟

حضرت شاہ فتح قلندرؒ کا جواب: عشق خاص ہے اور درد عام ہے۔

حضرت شاہ فتح قلندر جونپوری قدس اللہ سرہ خلیفہ حضرت شاہ محی قلندر لاہر پوری قدس اللہ سرہ کی خدمت میں داراشکوہ سوالات اور حضرت کے جوابات۔

●●●

مراجع ومصادر:

1 داراشکوہ:سفینۃ الاولیا،مطبع نول کشور،1882، 1900

2 سفینۃ الاولیا،اردوترجمہ محمد وارث کامل،صابری بکڈپو دیوبند بدون سنہ

3 سکینۃ الاولیا،اردوترجمہ پروفیسر مقبول بیگ بدخشانی،فرید بک ڈپو،دہلی، 1999

4 حق نما،مشمولہ منتخب آثارداراشکوہ،بسعی واہتمام،سید محمد رضا جلالی نائینی،چاپ تاباں 1335

5 حسنات العارفین،باتصحیحات ومقدمہ،سید مخدوم رھبن،تہران، 1352

6 مجمع البحرین،فارسی متن مع انگریزی ترجمہ از پروفیسر محفوظ الحق، کلکتہ، 1929

7 مجمع البحرین،اردوترجمہ،طلحہ رضوی برق،قومی کونسل برائے فروغ زبان اردو،دہلی، 2019

8 مجمع البحرین،اردوترجمہ، پروفیسر محمد یونس شاہ گیلانی،ایبٹ آباد، 1983

9 مجمع البحرین،مجمع البحرین ہندی ترجمہ از جگن ناتھ پاٹھک،راکا پرکاشن، الہ آباد، 2005،
مقدمہ(بھومکا)

10 سراکبر،منتخبات،بکرماجیت حسرت،داراشکوہ لائف اینڈورک،کلکتہ، 1953

11 دیوان،تقدیم احمد نبی خان،ریسرچ سوسائٹی آف پاکستان، لاہور، 1969

12 منتخب آثارداراشکوہ،بسعی واہتمام،سید محمد رضا جلالی نائینی،چاپ تاباں 1335

13 محمد افضل سرخوش:کلمات الشعرا،تحقیق،صادق علی دلاوری،لاہور،بدون سنہ

14 مفتی غلام سرورلاہوری:خزینۃ الاصفیا،ترجمہ وترتیب اقبال احمد فاروقی، مکتبہ نبویہ،لاہور، 2001

15 جوگ بسشٹ،تحقیق،ڈاکٹر تاراچند وسید امیر حسن عابدی،دانش گاہ اسلامی علی گڑھ، 1968

16 عبدالحمید لاہوری:پادشاہ نامہ،زیرنگرانی،میجر ڈبلیو این لیز،کلکتہ، 1868،جلد دوم،ص: 717

17 محمد صالح کنبوہ:عمل صالح الموسوم بی شاہجہاں نامہ،ترتیب وحاشیہ،دکتر غلام یزدنی،ترمیم وتصحیح،دکتر
وحید قریشی،مجلس ترقی ادب لاہور،طبع دوم، 1968

18 سید نجیب اشرف ندوی:مقدمہ رقعات عالم گیری،دارالمصنفین،اعظم گڑھ بدون سنہ

19 سید صباح الدین عبدالرحمٰن:بزم تیموریہ،جلد سوم،دارالمصنفین اعظم گڑھ،طبع دوم، 1981

20 سید محمد اسلام شاہ:داراشکوہ کے مذہبی عقائد،سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 1968

21 میاں محمد دین کلیم قادری:تذکرہ حضرت میاں میر،ضیاء القرآن پبلی کیشن، لاہور،طبع 1986

22 آفتاب رائے لکھنوی: تذکرہ ریاض العارفین،تصحیح سید حسام الدین راشدی، مرکز تحقیقات فارسی، ایران و پاکستان، 1982،

23 محمود علی: داراشکوہ،طبع دہلی، 1999،

24 عبداللہ چغتائی ڈاکٹر،سید: مرقع داراشکوہ اوراس کا مقدمہ،مشمولہ،اورینٹل کالج میگزین لاہور مئی 1937،

25 Supriya Ghandhi:The Emperor Who Never Was, London,2020

26 Bikrama Jit Hasrat:Dara Shikoh:life and Work,Calcutta,1953

27 Percy Brown:Indian Painting Under The Mughals, Cosmose Publication,Delhi,1987,P.95

28 Ethe, Hermann; Edwards, E:Catalogue of Persian Manuscripts in the Library of the India Office

●●●

خسرو فاؤنڈیشن-ایک نئی پہل

ہندوستان، جنت نشان جو مذہبی، لسانی اور تہذیبی تکثیریت کا ملک ہے، کثرت میں وحدت سے جس کی پہچان ہوتی ہے، اس عظیم ملک کی تاریخ کا ہر دور انسان دوستی کی مثالوں سے بھرا ہوا ہے، جس میں شکتی اور شانتی بھکتوں کے گیتوں کا نتیجہ ہے، ہندوستان ہمیشہ اس بات کا گواہ رہا ہے کہ دھرتی کے باسیوں کی مکتی پریت میں ہے۔

پتہ نہیں کہ دنیا کو کس کی نظر لگ گئی کہ سماجی قربتیں فاصلوں میں بدلنے لگیں ہیں۔ اس دیس کے باسیوں کی بڑی تعداد اگرچہ آج بھی اس عدم اتفاق اور تفریق کا حصہ بننے کو تیار نہیں لیکن غالب ترین اکثریت بھی اگر خاموش رہے تو وہ اس کے وجود کو عدم میں تبدیل کر دیتی ہے۔اب زیادہ تر لوگ اپنی ذات کے گرد طواف کر رہے ہیں۔غم زمانہ کی جگہ دردِ تنہا سے دوچار ہیں اور وہ انسان جو کبھی ضمیرِ دشت و دریا تھا آج اسیرِ آشیانہ بنا ہوا ہے۔ان حالات میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا نہیں رہا جا سکتا، اس لئے ضروری ہے کہ ایک بار پھر ان تمام علامتوں کو زندہ کیا جائے جو ''محبتوں کی گاتھا'' اور ''پریم کے ڈھائی اچھر'' سے لوگوں کو ایک دوسرے سے جوڑے رہیں جن کے نزدیک مادرِ وطن، وہاں پیدا ہونے اور بسنے والے، اس کے دریاؤں کا پانی پینے والے، اس کے کھیتوں میں پیدا ہونے والے رزق سے اپنی بھوک مٹانے والوں کو پھر اس بات کا احساس دلایا جائے کہ ان کا مذہب، زبان اور علاقہ کچھ بھی ہو سکتا ہے لیکن ماں اور ماٹی سے ان کا رشتہ اس دنیا کے پیدا کرنے والے اور چلانے والے رب کی مرضی کا نتیجہ ہے اور جس میں رب راضی اس میں سب

راضی رہیں،تو ہی بہتری اور بھلائی ہے۔

ہندوستان میں ایک دوسرے کو جوڑنے والوں کا اگر ذکر کیا جائے تو ان کے نام اور کام گنانے میں کوئی دیر نہ لگے گی لیکن اگر ایک دوسرے کو ایک دوسرے سے الگ کرنے والوں اور بانٹنے والوں کے نام کسی سے پوچھے جائیں تو اسے ان کے نام یاد کرنے اور بتانے میں بڑی مشکل آئے گی۔

اس سب کے باوجود آج پھر یہ دوریاں اور یہ ٹکراؤ جو گاہے بگاہے دیکھنے کو ملتا ہیا س کا سیدھا سادھا جواب یہی ہے کہ ہم نے انہیں بھلا دیا ہے جنہیں ہمیں یاد رکھنا چاہیے۔ دیوی دیوتاؤں، پیغمبروں، پیروں اور رشیوں مُنیوں کے تیاگ، تپسّیا، سمرپن اور سیوا بھاؤ کو زندہ کرنے کی ضرورت ہے۔ ان کے سندیش اور اپدیش ایک دفعہ پھر لوگوں تک پہنچائے جائیں۔

یہی وہ سوچ اور فکرمندی ہے جس کے تحت ''خسرو فاؤڈیشن'' کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ حضرت امیر خسرو ہندوستان کے عہد وسطیٰ کی وہ محبوب، دلنواز اور ہمہ گیر شخصیت ہیں جنہیں صدیاں گزر جانے کے باوجود یاد رکھا گیا اور ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ وہ بیک وقت صوفی بھی تھے اور سپاہی بھی، وہ شاعر بھی تھے اور ماہرِ موسیقی بھی، وہ مو؟رخ بھی تھے اور تاریخ ساز بھی۔ غرض ان کی شخصیت کی عبقریت نے ان کو گوں نا گوں صفات کا حامل اور ہمہ جہت پہلوؤں سے اس طرح متصف کیا کہ عہد وسطیٰ کی ہندوستانی تاریخ میں بڑے بڑے نامیوں کے نشان مٹ گئے لیکن جب سے آج تک نہ صرف خسرو بلکہ ہماری تاریخ کا ہر جز انسانی ذہنوں میں زندہ و تابندہ ہے۔ مسرت کے لمحے ہوں یا یاس و غم کی گھڑیاں، خسرو کا نام اور کلام ہمہ وقت اپنی جاذبیت اور آفاقیت کے اعتبار سے ہمارے ساتھ ہے۔

اس گتھی کو تو ماہرینِ نفسیات ہی سلجھا سکتے ہیں کہ خسرو نے کس طرح حال و قال، جنگ و جدل، سوز و ساز، خانقاہ اور دربار کے درمیان توازن برقرار رکھا۔ یہ اس لیے بھی اہم ہیں کہ تاریخ شہادت دیتی ہے کہ انہوں نے یہ توازن اپنی شخصیت کے کھرے پن کے ساتھ قائم کیا تھا۔ ان کی ہر وابستگی اور ہر رول کھلی کتاب کی طرح سب پر عیاں تھا اور اس

کھلے پن کے تعلقات کے باوجود زندگی بھر کامیاب رہے۔ صدق بہ تدبّر کی مثالیں امیر خسرو کی شخصیت کو ہمارے لئے اور بھی آئیڈیل بناتی ہیں۔

اس ''ترک نژاد'' کی وطن دوستی نہ صرف مثالی، بلکہ قابلِ رشک بھی ہے۔ خسرو کے نزدیک یہ سرزمینِ ہند، عدن کی جنت، یہاں کے لوگ ہر رنگ میں انہیں عزیز، یہاں کے درباروں کے آگے ایران، توران، خراسان کے دربار ہیچ۔ یہاں کے لوگ ہر صنعت، علم وادب کی ہر شاخ، فنونِ لطیفہ کے ہر میدان اور عسکری تربیت کے ہر انداز میں ''بے نظیر'' اہلِ ہند کا توحیدی مسلک انہیں باوجود ایک راسخ العقیدہ مسلمان ہونے کے عزیز ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگرچہ وہ (یعنی اہلِ ہند) ہمارے جیسا دین نہیں رکھتے، مگر ان کے اکثر عقیدے ہمارے جیسے ہیں۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم ہندوستان، ہندوستان کی ہر روایت چاہے وہ مذہبی ہو یا تہذیبی، ثقافتی ہو یا لسانی، علمی ہو یا ادبی، اس کو خسرو کی طرح دیکھیں، اپنائیں، اس پر صدقے اور واری جائیں۔ خسرو جن کی ماں ہندی اور باپ ترک تھے، ایسے ہندوستانی ہیں جو ہندوستان کی عظمت کے ترانے ہی نہیں گاتے بلکہ وہ اپنے آپ کو اس مٹی کا اس طرح حصہ بنانا چاہتے ہیں جیسے یہ مٹی ہی سب کچھ ہو اور جس سے تعلق اور محبت کو الطاف حسین حالیؔ نے یوں بیان کیا ہے:

تیری اک مشتِ خاک کے بدلے
لوں نہ ہرگز اگر بہشت ملے

خسرو فاؤنڈیشن وطن دوستی، انسان دوستی، فطرت سے ہم آہنگی، ہر طرح کی تفریق چاہے وہ فرقہ وارانہ ہو یا جنسی سب سے اوپر اٹھ کر محبت کو عام کرنا چاہتی ہے۔ اس لئے کہ بقول شیخ ابراہیم ذوق:

گلہائے رنگارنگ سے ہے زینت چمن
اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

●●●